مجلس انصاراللّٰہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ

انصارالدین

جلد ۱۵ نمبر ۳ ہجرت احسان ہجری شمسی ۱۳۹۲ہ مئی وجون ۲۰۱۸ء



CHARITY WALK FOR PEACE 2018, WINDSOR





لا إله إلا الله محمد رسول الله



CHARITY WALK
For PEACE
Runnymede



APRIL
لا إله إلا الله محمد رسول الله



لا إله إلا الله محمد رسول الله
1134





3319













﴿بسم الله الرحمٰن الرحیم   نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصار الدین

جلد 15 نمبر 3 | مجلس انصار اللہ برطانیہ کا تعلیمی، تربیتی اور معلوماتی مجلّہ | مئی و جون 2018ء

انصار اللہ کا عہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

تمام انصار اپنا جائزہ لیں کہ کیا آپ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے تحت جماعت احمدیہ کی ترقیات اور احمدیوں کی حفاظت کے لئے روزانہ دو نفل ادا کر رہے ہیں اور ہفتہ وار نفلی روزہ کا اہتمام کر رہے ہیں؟

صدر مجلس: ڈاکٹر چوہدری اعجاز الرحمٰن
قائد اشاعت: محمود علی مرزا
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد
مدیر: محمود احمد ملک
نائبین: صفدر حسین عباسی، حبیب الرّحمٰن غوری۔
مینیجر: نعیم گلزار
ڈیزائننگ: عامر ملک
ترسیل: عرفان اللّٰہ چیمہ (انچارج) عبدالرشید قاضی۔ ارشاد بھٹی عمران شاھد۔ شکیل احمد عمران گل۔ رشید شاھد۔ مقبول احمد ناصر ملک۔ حاشر ملک

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5PT   e-mail address: ansaruddin@ansar.org.uk

درس القرآن

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ۔ (النحل:126)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اپنے ربّ کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ دعوت دے اور ان سے ایسی دلیل کے ساتھ بحث کر جو بہترین ہو۔ یقیناً تیرا رب ہی اسے جو اس کے راستے سے بھٹک چکا ہو سب سے زیادہ جانتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کا بھی سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔

تبلیغ کے لئے یاد رکھنا چاہئے کہ مذہب کی خوبصورتی تحمل اور برداشت سے پیش کی جائے۔ ہم نے مسلمانوں کو بھی تبلیغ کرنی ہے اور غیر مسلموں کو بھی۔ یورپ میں لاکھوں مسلمان آباد ہیں۔ جو مختلف فرقوں کے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو ایک دوسرے کے خلاف شدّت پسند جذبات رکھتے ہیں بلکہ انہیں کافر تک کہتے ہیں جبکہ حدیث ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والے پر اس کا کفر اُلٹ جاتا ہے۔

بہر حال تبلیغ کے لئے یہ ضروری ہے کہ حکمت سے جواب ہو اور برداشت اور ہمدردی کا مظاہرہ ہو۔ برداشت بھی تب ہی پیدا ہوتی ہے جب ہمدردی ہو۔ اور حقیقی برداشت یہی ہے کہ میں نے کسی بڑی بات کے حصول کے لئے چھوٹی چھوٹی باتوں کو برداشت کرنا ہے۔ اور سب سے بڑی بات اس وقت خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہر بات چھوٹی ہے اور صبر کا مظاہرہ کرنا ہے۔

پھر حکمت میں یہ بھی ہے کہ ہر بات موقع اور محل کے حساب سے کی جائے اور ایسی باتیں نہ کی جائیں جو دشمن کو غصہ دلا دیں اور بجائے اس کے کہ تبلیغ امن قائم کرنے کا ذریعہ ہو اس سے فساد پھیلے اور یوں مذہب پر اعتراض کرنے والوں کو خود ہم اس اعتراض کا موقع مہیا کر دیں کہ مذہب تو ہے ہی فتنہ و فساد پھیلانے والا۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ تبلیغ حقائق اور سچائی پر مبنی ہو۔ جب ہدایت دینا خدا تعالیٰ کا کام ہے جیسا کہ اس نے فرمایا تو پھر اس سچائی کو بیان کریں جس کو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ نہ ہو کہ دوسروں کو ہدایت دیتے دیتے خود جھوٹ کی برائی میں مبتلا ہو جائیں۔ بعض لوگ واقعات میں مبالغہ آمیزی کر جاتے ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ نے بیان کیا کہ ایک دوست حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت بیان کرنے اور آپؑ کے نشانات کے بارے میں بتانے میں بھی مبالغہ کر جاتے تھے۔ ایک دن کسی عرب کو میری موجودگی میں لیکھرام کے قتل کا واقعہ اس طرح بیان کیا کہ میں نے اسے کہا کہ تم جھوٹ اور مبالغے سے کام لے رہے ہو۔ اس کو حقیقت بتاؤ۔ ورنہ میں اسے بتانے لگا ہوں کہ تم غلط کہہ رہے ہو۔ اس پر وہ ہاتھ جوڑنے لگے کہ اب میری بے عزتی نہ کروائیں۔ لیکن اگر اُس وقت اصلاح نہ کی جاتی تو پھر آگے عرب نے جب بیان کرنا تھا تو اس نے اس میں مزید مبالغہ کرنا تھا اور پھر آگے پتہ نہیں کیا کہانی بنی تھی۔ اسی طرح مذہب کے بارے میں غلط باتیں پھیلتی ہیں اور بعض نام نہاد بزرگوں کے بارے میں کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔

بہر حال کسی کو قائل کرنے کے لئے بھی واقعاتی سچائی کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(جلسہ سالانہ جرمنی 2015ء کے اختتامی خطاب سے ماخوذ)

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض دعائیں

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ ۔وَمِنْ دُعَاءٍ لَا یُسْمَعُ۔ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ۔ وَمِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ۔ اَعُوْذُبِکَ مِنْ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعِ۔

اے اللہ! میں تجھ سے ایسے دل سے پناہ مانگتا ہوں جس میں عاجزی اور انکساری نہیں، اور ایسی دعا سے پناہ مانگتا ہوں جو مقبول نہ ہو۔ اور ایسے نفس سے جو کبھی سیر نہ ہو اور ایسے علم سے جو کوئی فائدہ نہ دے۔ میں ان چاروں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(سنن الترمذی کتاب الدعوات باب 68/68 حدیث نمبر3482)

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغُفُوْرُ الرَّحِیْمِ۔

اے اللہ! میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کئے ہیں۔ اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں۔ تُو اپنی جناب سے مجھے مغفرت عطا فرما دے اور مجھ پر رحم فرما۔ اور اے خدا یقیناً تو ہی بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء فی الصلاۃ حدیث نمبر6326)

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَسَارِیْ نُوْرًا وَفَوْقِیْ نُوْرًا وَ تَحْتِیْ نُوْرًا وَاَمَامِیْ نُوْرًا وَخَلْفِیْ نُوْرًا وَاجْعَلْ لِیْ نُوْرًا۔

اے اللہ! تو میرے دل میں نور پیدا فرما دے، میری آنکھوں میں نور پیدا فرما دے، میرے کانوں میں نور پیدا فرما دے، میرے دائیں میرے بائیں، اوپر اور نیچے اور آگے اور پیچھے نور پیدا فرما دے۔ اور مجھے نورِ مجسم بنا دے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء اذا انتبہ من الیل۔ حدیث نمبر6316)

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ۔

اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہے اور میں تجھ سے ایسے عمل کی توفیق مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ میرے دل میں اپنی اتنی محبت ڈال دے جو میری اپنی ذات، میرے اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ ہو۔

(سنن الترمذی کتاب الدعوات باب 73/000حدیث نمبر3490)

یَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی طَاعَتِکَ۔

اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنی اطاعت پر قائم رکھ۔

(مسند احمد بن حنبل جلد نمبر3صفحہ نمبر499)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان دعاؤں سے استفادہ کرنے کی ہمیشہ توفیق دیتا چلا جائے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 10 ستمبر 2010ء سے انتخاب)

کلام الامام علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چند دعائیں

رَبِّ کُلُّ شَیْیءٍ خَادِمُکَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ۔

اے میرے ربّ! ہر ایک چیز تیری خادم ہے۔ اے میرے ربّ پس مجھے محفوظ رکھ اور میری مدد فرما اور مجھ پر رحم فرما۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد نمبر 22 صفحہ نمبر 224)

یَااَحَبَّ مِنْ کُلِّ مَحْبُوْبٍ اِغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَ اَدْخِلْنِیْ فِیْ عِبَادِکَ الْمُخْلَصِیْنَ۔ اے محبوبوں سے محبوب ذات! میرے گناہ مجھے بخش دے اور مجھے اپنے مخلص بندوں میں شامل فرما۔ (مکتوبات احمد جلد دوم مکتوب بنام منشی رستم علی صاحب صفحہ 539)

نماز میں حصولِ حضور کی دعا: ''اے خدا تعالیٰ قادر و ذوالجلال مَیں گناہگار ہوں اور اس قدر گناہ کے زہر نے میرے دل اور رگ و ریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رقت اور حضورِ نماز حاصل نہیں۔ تو اپنے فضل و کرم سے میرے گناہ بخش۔ اور میری تقصیرات معاف کر۔ اور میرے دل کو نرم کر دے۔ اور میرے دل میں اپنی عظمت اور اپنا خوف اور اپنی محبت بٹھا دے۔ تا کہ اس کے ذریعہ سے میری سخت دلی دُور ہو کر حضورِ نماز میسر آوے۔ (فتاوی حضرت مسیح موعود صفحہ نمبر 37)

رَبِّ ارْحَمْنِیْ اِنَّ فَضْلَکَ وَرَحْمَتَکَ یُنْجِی مِنَ الْعَذَابِ۔

اے میرے ربّ! مجھ پر رحم فرما۔ یقیناً تیرا فضل اور تیری رحمت عذاب سے نجات دیتے ہیں۔ (تذکرہ صفحہ نمبر 621 ایڈیشن چہارم ربوہ)

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ مِنَ السَّمَآءِ۔

اے میرے ربّ! تُو مجھے دکھا کہ تو مردہ کیونکر زندہ کرتا ہے اور آسمان سے اپنی بخشش اور رحمت نازل فرما۔ (براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 266)

رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّکَاذِبٍ۔ اے میرے خدا! صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلا۔ تو جانتا ہے کہ صادق اور مصلح کون ہے؟ (تذکرہ صفحہ نمبر 532 ایڈیشن چہارم ربوہ)

رَبِّ اَرِنِیْ اَنْوَارَکَ الْکُلِّیَّۃَ۔ اے میرے ربّ! مجھے اپنے تمام انوار دکھلا۔ (تذکرہ صفحہ نمبر 534 ایڈیشن چہارم ربوہ)

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا۔ اے میرے ربّ! زمین پر کافروں میں سے کوئی باشندہ نہ چھوڑ۔ (تذکرہ صفحہ نمبر 576 ایڈیشن چہارم ربوہ)

رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ فَاِنَّ الْقَوْمَ یَتَّخِذُوْنَنِیْ سُخْرَۃً۔ اے میرے ربّ! میری حفاظت کر۔ کیونکہ قوم نے تو مجھے ٹھٹھے ہنسی کی جگہ ٹھہرا لیا۔ (تذکرہ صفحہ نمبر 578 مطبوعہ ربوہ)

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ مِنَ السَّمَآءِ۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ۔ رَبِّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ ۔ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ۔ اے میرے ربّ! مغفرت فرما اور آسمان سے رحم کر۔ اے میرے ربّ! مجھے اکیلا مت چھوڑ۔ اور تُو خیر الوارثین ہے۔ اے میرے ربّ! امتِ محمدیہ کی اصلاح کر۔ اے ہمارے ربّ! ہم میں اور ہماری قوم میں سچا فیصلہ کر دے۔ اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ (براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد نمبر 1 صفحہ 266)

(خطبہ جمعہ 10 ستمبر 2010ء سے انتخاب)

فرمودات

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 10 ستمبر 2010ء میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی ایک دعا سے استفادہ کرتے ہوئے درج ذیل الفاظ میں ایک دعا پیش کی۔ اس دعا میں دنیا بھر میں براہ راست خطبہ جمعہ سننے والے لاکھوں احباب جماعت بھی شامل ہوئے:

''اے میرے مالک میرے قادر میرے پیارے میرے مولیٰ میرے رہنما اے زمین و آسمان کے خالق اور اس میں موجود ہر چیز پر تصرف رکھنے والے۔ اے خدا جس نے لاکھوں انبیاء اور کروڑوں رہنماؤں کو دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اے وہ عَلِیٌّ وَ کَبِیْرٌ خدا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عظیم الشان نبی دنیا میں مبعوث فرمایا، اے وہ رحمان خدا جس نے مسیح جیسا رہنما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آپ کی امت میں امت کی رہنمائی کے لئے پیدا فرمایا۔ اے نور کے پیدا کرنے والے اور ظلمت کے مٹانے والے! ہم تیرے عاجز بندے تجھ سے تیرے وعدوں کا واسطہ دے کر جو تُو نے اپنے محبوب اور سب سے پیارے رسول اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہیں۔ نیز ان وعدوں کا واسطہ دے کر جو تُو نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق اور عاشقِ صادق سے کئے ہیں۔ تیرے حضور عاجزی سے جھکتے ہوئے یہ فریاد کرتے ہیں کہ ان وعدوں کے پورا ہونے کے عظیم الشان نشان ہمیں دکھا۔ ہم اس بات پر علیٰ وجہ البصیرت یقین رکھتے ہیں کہ تُو سچے وعدوں والا ہے، تُو یقیناً اپنے وعدے پورے کرے گا۔ لیکن ہمیں یہ خوف بھی دامنگیر ہے کہ ہماری نالائقیوں اور ناسپاسیوں کی وجہ سے یہ وعدے پورے ہونے کا وقت آگے نہ چلا جائے۔ تیری رحمانیت اور تیری رحیمیت کا واسطہ دے کر تجھ سے یہ عرض کرتے ہیں کہ ہمارے عملوں سے چشم پوشی فرماتے ہوئے ہمارے گناہوں اور ظلموں کے باوجود ہمیں اپنے انعاموں اور احسانوں سے اس طرح نوازتا چلا جا جس طرح تُو نے ہمیشہ سے ہم سے سلوک رکھا ہے۔ باوجود اس کے کہ ہم نے اپنا حق اس طرح ادا نہ کیا جو حق ادا کرنے کا حق ہے۔ مگر تُو ہمیشہ اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہم پر برساتا رہا۔ اور ہمارے ایمانوں کو مضبوط تر کرتا رہا۔ میں آج پھر عاجزانہ طور پر تیرے سامنے پھر یہ عرض کرتا ہوں کہ اے رحمان خدا! اے وہاب خدا! اے ستار العیوب خدا! اے غفور الرحیم خدا! اپنی رحمانیت اور وہابیت کے دروازے کبھی ہم پر بند نہ کرنا۔ ہمارے عیبوں اور ہماری کمزوریوں سے ہمیشہ پردہ پوشی فرمانا۔ ہم پر بخشش اور رحم کی نظر رکھنا۔ اور جس سلوک سے ہمیں اب تک نوازتا رہا ہے اس کو کبھی بند نہ کرنا۔ ہم تجھ سے ہر اس خیر کے طالب ہیں جو تُو نے کسی کے لئے بھی مقدر کی ہے۔ بلکہ ہر وہ خیر جس کا تُو مالک ہے محض اور محض اپنے فضل سے عطا فرما۔

باقی صفحہ 16 پر جاری ہے

نظامِ خلافت کے چند پہلو

(جمیل احمد بٹ)

نظامِ خلافت سے متعلق بنیادی امور قرآنِ کریم میں یوں بیان ہوئے ہیں:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (سورۃ النور:57-56)

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے لئے اُن کے دین کو، جو اُس نے پہلے لوگوں کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اُس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس مضمون میں ان میں سے درج ذیل تین پہلوؤں کا کسی قدر ذکر ہے:

اوّل: نظامِ خلافت کے بنیادی اصول

دوم: نظامِ خلافت کی برکات

سوم: نظامِ خلافت کی نعمت پانے والوں کی ذمہ داریاں

اوّل پہلو: نظامِ خلافت کے بنیادی اصول

آیت استخلاف کی رُو سے اس نظام کے تین بنیادی اصول ہیں۔

پہلا اصول: خلیفہ خدا بناتا ہے

یہ وعدۂ خلافت خدا کی طرف سے ہے جیسا کہ فرمایا کہ: وَعَدَ اللّٰهُ۔ پھر مزید یہ وضاحت فرمائی کہ: لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ یعنی کہ ضرور (وہی) خلیفہ بنائے گا۔ كَمَا اسْتَخْلَفَ جیسا کہ اس نے خلیفہ بنائے قَبْلِهِمْ پہلے۔ جو وعدہ کرتا ہے وہی پورا کرتا ہے۔ سو اس وعدہ کو پورا کرتے ہوئے اللہ ہی خلیفہ بناتا ہے۔

عملاً ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل مثالوں سے ثابت ہے:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ: پہلے خلیفہ راشد کے خدا تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ بنائے جانے کے بارہ خود آنحضرت ﷺ کا درج ذیل ارشاد موجود ہے کہ مَیں نے ایک بار ارادہ کیا تھا کہ ابوبکر اور آپ کے بیٹے کو بلاؤں اور خلافت کی وصیت لکھ دوں تا کہ باتیں بنانے والے باتیں نہ بنا سکیں اور اس کی تمنا کرنے والے اس کی تمنا نہ کریں پھر مَیں نے کہا (ابوبکر کے علاوہ کسی بھی دوسرے کا) اللہ تعالیٰ لازماً انکار کر دے گا اور مومن بھی اسے ضرور رد کر دیں گے۔

(صحیح بخاری کتاب المرضیٰ باب قول المریض)

اس انتخاب کے الٰہی ہونے کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا اس میں بھی یہی بھید تھا کہ آپ کو خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرما دے گا کیونکہ یہ خدا کا ہی کام ہے۔ ...... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام کے واسطے خلیفہ بنایا''۔ (ملفوظات جلد پنجم صفحہ نمبر 524)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: دوسرے خلیفہ راشد نے اس حقیقت کا خود یوں اظہار فرمایا: 'جس شخص نے مال کے متعلق کوئی بات دریافت کرنی ہو وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیفہ بنا کر قوم کے مالوں کا امین بنایا ہے'۔
(تاریخ عمر ابن خطاب صفحہ نمبر 87)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: تیسرے خلیفۂ راشد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ خبر دی اور فرمایا: اے عثمان! اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا اگر منافق اس کو اتارنے کا قصد کریں تو تم اسے نہ اتارنا۔ (ترمذی و مسند احمد بن حنبل)

اس پیش گوئی میں خلیفہ بنایا جانا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور اس کی مخالفت کو لوگوں کی طرف۔ چنانچہ وقت آنے پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی الفاظ دہرائے اور فرمایا: مَیں اس قمیصِ خلافت کو ہرگز نہ اتاروں گا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے۔ (طبری جلد 5 صفحہ نمبر 121)

خلافتِ راشدہ کا دورِ ثانی:

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعد جہاں سلسلۂ خلافت کے قیام کی خبر دی وہیں اسے خدا تعالیٰ کی طرف منسوب بھی کیا۔ جیسا کہ فرمایا:

''مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا''۔ (رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد نمبر 20 صفحہ نمبر 305)

اور پھر یونہی ظہور میں آیا۔ چنانچہ قدرتِ ثانیہ کے پہلے مظہر حضرت مولانا حکیم نورالدین رضی اللہ عنہ نے اپنے خلیفہ ہونے کو اللہ کا کام قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خلیفہ بنایا۔...... میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی خدا ہی نے خلیفہ بنایا ہے''۔
(خطاباتِ نور صفحہ 471 نظارت اشاعت ربوہ 2013ء)

نیز آئندہ بھی ایسا ہی ہونے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: ''خلیفہ اللہ ہی بناتا ہے میرے بعد بھی اللہ ہی بنائے گا''۔ (پیغامِ صلح 24 فروری 1911ء)

اسی طرح قدرتِ ثانیہ کے دوسرے مظہر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے فرمایا: ''خدا نے مجھے خلیفہ بنایا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے انتخاب میں غلطی نہیں کرتا''۔ (کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے بحوالہ انوار العلوم جلد دوم صفحہ نمبر 18)

خدا کا انتخاب کیسے؟

خلفاء کا انتخاب بظاہر مومنوں کی رائے سے ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے خدا کا انتخاب قرار دیا جانا اُس مخفی خدائی تقدیر کی وجہ سے ہے جو اوّل خود خلیفہ چنتی

ہے اور پھر اس کی مشیت اپنے خاص تصرف سے مومنوں کے دل اس چنندہ وجود کی طرف مائل کر دیتی ہے اور کثرت رائے اس طرف ہو جاتی ہے۔ اس وقت مجلسِ منتخبہ کی حیثیت ایک آلہ کی سی ہوتی ہے جسے خدا اپنی تقدیر کو جاری کرنے کے لئے اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔

خدائی انتخاب پر واقعاتی شہادات

اس چناؤ کے خدائی انتخاب ہونے کی مزید تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ یہ منتخبہ وجود اس منصب کے خواہش مند نہیں ہوتے، انتخاب کے بعد ایک نئے وجود بن جاتے ہیں اور یہ کہ خلافت کے قیام کی دنیوی کوششیں ہمیشہ ناکام رہتی ہیں۔ بار بار ظاہر ہونے والی ایسی چند واقعاتی شہادات درج ذیل ہیں:

خواہش نہ رکھنا: منتخب وجود خود اس منصب کا خواہش مند نہیں ہوتا بلکہ اس ذمہ داری کو بوجھ جانتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد ہے: ''بخدا مجھے کبھی بھی امارت کی حرص نہیں تھی اور نہ مجھے اس میں رغبت تھی اور نہ کبھی ظاہر و پوشیدہ میں مَیں نے اللہ تعالیٰ سے اس کا ہی سوال کیا تھا''۔

(مستدرک بحوالہ تاریخ الخلفاء از حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ اردو ترجمہ از مولوی محمد منشا تابش قصوری، صفحہ نمبر102 ناشر شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے بھی انتخابِ خلافت کے بعد اپنی پہلی تقریر میں فرمایا: ''میری پچھلی زندگی پر غور کر لو مَیں کبھی امام بننے کا خواہش مند نہیں ہوا...... مَیں ہرگز ایسی باتوں کا خواہش مند نہیں اگر خواہش ہے تو یہ کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے''۔ (خطابات نور صفحہ 247 نظارت اشاعت ربوہ 2013ء)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے انتخابِ خلافت کے چند دنوں کے بعد فرمایا: ''مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں نے کبھی انسان سے خلافت کی تمنا نہیں کی اور یہی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے بھی کبھی یہ خواہش نہیں کہ وہ مجھے خلیفہ بنادے''۔ (کون ہے جو خدا کے کام کو روک سکے بحوالہ انوار العلوم جلد دوم صفحہ نمبر 14)

iv۔ اور یہی بات حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے بزبانِ حال ظاہر ہوئی۔ انتخاب کے بعد آپ کی کیفیت کا جو حال ہم نے MTA پر دیکھا وہ خوب ظاہر کرتا ہے کہ آپ کس طرح اپنے آپ کو اس بوجھ تلے دبا پاتے تھے۔ پھر بعد میں آپ کا یہ ارشاد گویا اس باب میں حرفِ آخر ہے:

''میں تو جب اپنا جائزہ لیتا ہوں تو شرمسار ہوتا ہوں۔ میں تو ایک عاجز، ناکارہ، نااہل پُر معصیت انسان ہوں۔ مجھے نہیں پتہ کہ خدا تعالیٰ کی مجھے اس مقام پر فائز کرنے کی کیا حکمت تھی''۔ (خطاب فرمودہ خلافت جوبلی 27 مئی 2008ء)

منصبِ خلافت پر فائز ہونے والوں کا یکدم ایک نیا وجود بن جانا

منتخب ہونے والے حضرات کا منصبِ خلافت کے تقاضوں کے مطابق یکدم ایک نیا وجود ہو جانا اس امر پر ایک حیرت انگیز شہادت ہے کہ وہ خدا کے انتخاب سے ہی خلیفہ ہوتے ہیں۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''یہ قانونِ قدرت ہے کہ جب خدا کے رسول کا کوئی خلیفہ اس کی موت کے بعد مقرر ہوتا ہے تو شجاعت اور ہمت اور استقلال اور فراست اور دل قوی ہونے کی روح اس میں پھونکی جاتی ہے۔'' (تحفۂ گولڑویہ روحانی خزائن جلد نمبر ۱۷ صفحہ نمبر 185)

یہ تبدیلی اس قرآنی ارشاد کے تابع ہے کہ: یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا (النور:56)۔ یعنی وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

اس حصۂ آیت کے ذیل میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے (تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ نمبر 382 پر) تحریر فرمایا ہے:

''یہاں بت پرستی کا ذکر نہیں بلکہ اس امر کا ذکر ہے کہ وہ بندوں سے ڈر کر کسی مقام سے اپنا قدم پیچھے نہیں ہٹائیں گے بلکہ جو کچھ کریں گے خدا تعالیٰ کے منشاء اور اس کی رضا کو پورا کرنے کے لئے کریں گے اور اس امر کی ذرا بھی پرواہ نہیں کریں گے کہ اس راہ میں انہیں کن بلاؤں اور آفات کا سامنا کرنا پڑتا ہے''۔

اس تبدیلی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

i۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتہائی رفیق القلب تھے۔ قرآنِ کریم پڑھتے تو زار و قطار رونے لگتے لیکن جب خلیفہ ہوئے تو یکدم ایسے باہمت اور قوی ہو گئے کہ صحابہ کی اجتماعی رائے کے برخلاف اس لشکر کو جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل تیار کیا تھا یہ کہہ کر روانہ کر دیا کہ: اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ اگر رسول اللہ کی (پاک) بیویوں کے پاؤں کتے پکڑ کر گھسیٹیں جب بھی مَیں اس لشکر کو واپس نہیں بلاؤں گا جس کو میرے آقاؐ نے روانہ فرمایا تھا۔ (تاریخ الخلفاء از حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ اردو ترجمہ از مولوی شمس بریلوی، صفحہ 208-207 پروگریسو بکس 40-بی اردو بازار لاہور)

ایسا ہی سخت رویّہ آپ نے منکرینِ زکوٰۃ کے ساتھ رکھا۔

ii۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''مزاج قدرتی طور پر نہایت تند، تیز اور زُود مشتعل واقع ہوا تھا''۔ (الفاروق از علامہ شبلی نعمانی صفحہ 388، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

لیکن خلیفہ ہونے کے بعد آپ بالکل بدل گئے۔ جیسا کہ لکھا ہے کہ

''اس عہدۂ جلیلہ کے بعد یہ سختی صرف ظالموں اور تعدّی کرنے والوں کے لئے رہ گئی۔ ورنہ جہاں خدا کا حکم سنا، تکلیف میں مبتلا کو دیکھا تو طبیعت میں رقّت پیدا ہو گئی۔ آپ کی طبیعت کی نرمی اور رحم کے لئے یہی کافی ہے کہ بازار میں نکلتے تو بچے دوڑ کر آپ کو تھام لیتے۔ 'اے پیارے باپ' کہتے ہوئے آپ سے چمٹ جاتے۔ آپ ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے، ان سے پیار کرتے''۔

(ازالۃ الخلفاء از حضرت ولی اللہ شاہؒ مقصد دوم صفحہ 63، بحوالہ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ از مولانا غلام باری سیف، صفحہ 56-55، ضیاء الاسلام پریس، ربوہ)

iii۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ بھی انتہائی نرم مزاج ہوتے تھے لیکن زمانۂ خلافت میں جب انکارِ خلافت کے فتنہ نے سر اٹھایا تو آپ نے سختی سے اس کا سر کچلا اور اُس کے لیڈروں کو دوبارہ بیعت کا حکم دیا۔ اور ایک بار ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی: ''اگر تم زیادہ زور دو گے تو یاد رکھو کہ میرے پاس ایسے خالد بن ولید ہیں جو تمہیں مرتدوں کی طرح سزا دیں گے''۔ (اخبار بدر 11/ جولائی 1911ء)

قیامِ خلافت کے منصوبوں کا ناکام رہنا

چونکہ خلیفہ خدا بناتا ہے اس لئے کوئی شخص اپنے منصوبہ اور کوشش سے خود کو یا کوئی گروہ کوشش سے اپنے نمائندہ کو خلیفہ نہیں بنوا سکتا اور نہ کسی دنیوی اسکیم اور

کوشش سے نظامِ خلافت قائم ہوسکتا ہے۔ایسی کوششیں پہلے بھی ناکام رہی ہیں اور جو آیندہ کی جائیں گی ان کا انجام بھی ناکامی ہی ہے۔گزشتہ ناکام کوششوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

i۔ چودھری رحمت علی صاحب کا یہ منصوبہ کہ:''اوّل تمام مسلم ممالک کے سربراہ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں اور باقی اپنے ملکوں (جواب صوبے ہو جائیں گے) کے گورنر بن جائیں۔دوسرے کوئی حکمران خود کو خلیفہ بنا لے اور باقی تمام ممالک کو مدغم کر کے ایک مملکت بنا لے۔تیسرے اور آخر صورت یہ کہ پوری اسلامی دنیا کے عوام سڑکوں پر نکل آئیں اور اپنے حکمرانوں کو بحالیٔ خلافت پر مجبور کریں''۔

(خلافت اور ہمارے جملہ مسائل از چودھری رحمت علی ملخص صفحہ نمبر-112-111 لاہور 1991ء)

ii۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا یہ منصوبہ جس کے تحت ان کی جماعت تنظیم اسلامی کے انقلابی عمل کے ذریعہ پہلے پاکستان میں احیائے خلافت ہو اور پھر آگے پھیلایا جائے۔

(پاکستان میں نظام خلافت،امکانات،خدوخال اور اسکے قیام کے طریق از ڈاکٹر اسرار احمد۔ملخص صفحہ 33, 35)

iii۔ حزب التحریر کا یہ نعرہ:''اے مسلمانوں خلافت کو قائم کرو''۔

(اشتہار حزب التحریر کی پکار 13 اپریل 2003ء)

اس حوالہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا یہ ارشاد فیصلہ کُن ہے:

''سارا عالم اسلام مل کر بھی زور لگا لے اور خلیفہ بنا کر دکھا دے وہ نہیں بنا سکتا کیونکہ خلافت کا تعلق خدا کی پسند سے ہے''۔(خطبہ جمعہ فرمودہ 12 اپریل 1993ء)

اس باب میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایداللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ ارشاد تو گویا نوشتۂ دیوار ہے:

''اے دشمنانِ احمدیت!میں تمہیں دوٹوک الفاظ میں کہتا ہوں کہ اگر تم خلافت کے قیام میں نیک نیت ہو تو آؤ اور مسیح محمدی کی غلامی قبول کرتے ہوئے اُس کی خلافت کے جاری ودائمی نظام کا حصہ بن جاؤ ورنہ تم کوششیں کرتے کرتے مر جاؤ گے اور خلافت قائم نہیں کر سکو گے۔تمہاری نسلیں بھی اگر تمہاری ڈگر پر چلتی رہیں تو وہ بھی کسی خلافت کو قائم نہیں کر سکیں گی۔قیامت تک تمہاری نسل در نسل یہ کوشش جاری رکھے تب بھی کامیاب نہیں ہو سکے گی۔خدا کا خوف کرو اور خدا سے ٹکر نہ لو اور اپنی اور اپنی نسلوں کی بقا کے سامان کرنے کی کوشش کرو''۔

(خطاب فرمودہ خلافت جوبلی 27 مئی 2008ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل لندن 25 جولائی 2008ء)

دوسرا اصول:ایمان اور مناسب حال اعمال شرط ہے

نظامِ خلافت کے اس انعام کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے مناسبِ حال اعمال بجالاتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (النور:56)

ترجمہ:تم میں سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے۔

اس آیت کے ذیل میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا ہے:

''چونکہ اس آیت میں خلافت کا ذکر ہے اسلئے آمَنُوْا سے مراد امنو بالخلافة ہے اور عَمِلُواالصَّالِحَاتِ سے مراد عَمِلُوا عَمَلًا تحملاً مناسباً لحصول الخلافة ہے۔اگر یہ شرط پوری نہ ہوگی تو خدا تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا نہیں ہوگا''۔(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ نمبر 375)

یعنی اس اصول کے تابع خلافت کا انعام وہی پائیں گے جو خلافت پر ایمان رکھتے ہوں اور قیامِ خلافت کے لئے مناسب اور ضروری اعمال بجالاتے ہوں۔اس ایمان کے مظاہرے کے لئے مطلوب ضروری اعمال میں نعمتِ خلافت پر اللہ کا شکر،ادب اور احترام کے ساتھ خلافت سے محبت اور وفا کا تعلق،خلیفۂ وقت کی دعاؤں اور مشوروں سے مدد،خلیفۂ وقت اور خلافت کی حفاظت اور ہر موقع پر بہترین انتخاب سب شامل ہیں۔

تاریخ کی گواہی

اس اصول کی صداقت پر خلافت راشدہ کا محدود زمانہ گواہ ہے۔حضرت عمرؓ پر سرِ عام نکتہ چینی اور ان کی حفاظت میں کوتاہی،حضرت عثمانؓ کے فیصلوں پر اعتراضات،ان سے معزولی کا مطالبہ اور اپنوں کے ہاتھوں ان کی شہادت،حضرت علیؓ کے خلاف محاذ آرائی اور ان کی حفاظت میں ناکامی اور حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری،یہ سب واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ اس وقت کے بعض مسلمانوں کا ایمان بالخلافت تھا اور نہ ان کے اعمال ایسے تھے جو اس انعام کیلئے مطلوب تھے۔

تیسرا اصول:خلافت کے مخالف ناکام رہتے ہیں

خدا کے منتخب کردہ خلیفہ کی مخالفت کی وجوہات قرآنِ کریم نے حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر میں بیان فرمائی ہیں۔فرشتوں نے اس انتخاب پر اپنی گزشتہ خدمات کا حوالہ دیا کہ:وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ۔(البقرہ:31)

ترجمہ:ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔

اور ابلیس نے اپنے آپ کو زیادہ اہل اور بڑا جانا اور انکار کر دیا جیسا کہ مذکور ہے:اَبیٰ وَاسْتَکْبَرَ (البقرہ:35) ترجمہ:اس نے انکار کیا اور تکبر کیا۔

خدا تعالیٰ نے اعلیٰ خدمات اور زیادہ اہلیت کے ان دونوں دعووں کو اس آدمؑ کے مقابلہ میں ردّ کر دیا جو اپنی کوئی بڑائی اور خدمت پیش نہیں کر سکتا تھا اور آئندہ خلفاء کے بارہ میں بھی یہی اصول ٹھہرایا کہ:

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِکَ فَأُولٰئِکَ هُمُ الْفَاسِقُونَ۔(النور:56)

ترجمہ از حضرت مسیح موعود علیہ السلام:بعد خلیفوں کے پیدا ہونے کے جب وہ وقتاً فوقتاً پیدا ہوں اگر کوئی بغاوت اختیار کرے اور ان کی اطاعت اور بیعت سے منہ پھیرے تو وہ فاسق ہے۔(شہادت القرآن۔روحانی خزائن جلد نمبر 6 صفحہ 334)

خلفاء کے مخالف ہمیشہ اپنے مقصد میں ناکام رہتے ہیں۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کی مخالفت بڑے منظّم طور پر کی گئی جس میں اس وقت کے بہت سے بڑوں نے حصہ لیا لیکن خدائی تقدیر کے مطابق وہ سب چھوٹے کئے گئے اور انہوں نے صرف اپنا نقصان کیا۔اس خلافت کے دوران مستری،مصری،وہاب ومنان کے اٹھائے ہوئے فتنے بھی اسی طرح اپنے بدانجام کو پہنچے۔بعد کے خلفاء کے ادوار میں بھی ایسی کوششیں سعیٔ لاحاصل رہ کر صرف زیاں پر منتج ہوئیں۔

دوم پہلو:نظامِ خلافت کی برکات

نظامِ خلافت ایک زندہ اور زندگی بخش نظام ہے۔اس سے وابستہ ہر فرد اس کی بارش کی طرح برستی عظیم الشان برکات کا ذاتی تجربہ رکھتا ہے۔ان بے شمار برکات میں سے دو درج ذیل ہیں:

تمکنتِ دین: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمْ (النور:55)

ترجمہ: اور ان کے لئے اُن کے دین کو ضرور تمکنت عطا فرمائے گا۔

چونکہ خلیفہ خدا کا بنایا ہوا ہوتا ہے اس لئے وہ تائیدِ الٰہی کا مورد ہوتا ہے۔ خدا خلفاء کی تائید و نصرت فرماتا ہے اور وہ کامیابیاں عطا کرتا ہے جن کے ذریعہ دین کو تمکنت اور سرخروئی ملتی ہے۔ خلفاء کے ادوار میں قدم قدم کامیابیاں اور ترقیات ایک ایسی روشن حقیقت ہے جو کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔

خلافتِ راشدہ دورِ اوّل کے تیس سالوں میں اسلام کا جھنڈا نصف دنیا پر پھیل گیا اور اسلام کو وہ شان اور شوکت نصیب ہوئی جو اپنی مثال آپ ہے۔

خلافتِ راشدہ کے اس دورِ ثانی میں بھی ایک مسلسل عمل کے طور پر اسلام کا قافلہ ہر آن آگے سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ خلفاء کو منصوبے سجھاتا ہے اور پھر اُن اسکیموں میں کامیابیاں عطا کرتا ہے۔ خلافتِ اولیٰ میں استحکام خلافت، خلافتِ ثانیہ میں جماعت کا ملک ملک پھیلنا، خلافتِ ثالثہ میں اس سفر کا جاری رہنا تاریخ کا حصہ ہیں۔ پھر خلافتِ رابعہ میں MTA کے تاریخ ساز ظہور اور لکھوکھا افراد کی عالمی بیعتوں میں شرکت سے نگاہیں ابھی خیرہ ہی تھیں کہ خلافتِ خامسہ کے آگے بڑھنے کی تیز تر رفتار ہمارے سامنے آن رہی۔ 2008ء میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے یہ پُر شوکت اعلان فرمایا:

''یہ دَور جس میں خلافتِ خامسہ کے ساتھ خلافت کی نئی صدی میں ہم داخل ہو رہے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ احمدیت کی ترقی اور فتوحات کا دَور ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی تائیدات کے ایسے باب کھلے ہیں اور کھل رہے ہیں کہ ہر آنے والا دن جماعت کی فتوحات کے دن قریب دکھا رہا ہے۔..... میں علیٰ وجہِ البصیرت کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اِس دور کو اپنی بے انتہا تائید و نصرت سے نوازتا ہوا ترقی کی شاہراہوں پر بڑھاتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ اور کوئی نہیں جو اس دَور میں احمدیت کی ترقی کو روک سکے اور نہ ہی آئندہ کبھی یہ ترقی رُکنے والی ہے''۔

(خطاب فرمودہ خلافت جوبلی 27 مئی 2008ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 25 جولائی 2008ء)

اور ہم نے دیکھا کہ تمام اطراف جماعت کی ہمہ گیر ترقی کے ساتھ کس طرح دنیاوی سیاست کے مراکز امریکی کانگریس، یورپین یونین کی پارلیمنٹ، برطانوی اور کینیڈین پارلیمنٹس اور دیگر کئی ممالک کے چنندہ افراد کی مجالس میں حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کو خوش آمدید کہا گیا اور آپ نے انہیں اسلام کی خوبصورت تعلیم سے آگاہ فرمایا۔ جماعت کی اس تیز رفتار ترقی سے کل کے روشن ترین مستقبل کی چاپ واضح تر ہوتی جاتی ہے۔

پس تمکنتِ دین نظامِ خلافت کی سدا بہار برکت ہے۔

خوف کا امن سے بدل جانا: خلافت کی ایک اور بڑی برکت اس کے ذریعہ خوف کا امن سے بدلنا ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا- اور اُن کے خوف کی حالت کے بعد ضرور انہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔

خوف کی یہ حالت دو طرح کی ہے۔ خود نبی یا خلیفہ کی وفات کے وقت دوسرے مخالفین کے پیدا کردہ خوف۔ ان دونوں کا امن سے بدلنا خلافت کی برکت ہے۔

خلافت کا قیام اور اس کا تسلسل: نبی یا خلیفہ کی وفات کا حادثہ یقیناً مومنوں کو ان دیکھے خوفوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس خوف کا بنیادی سبب وہ محبت ہوتی ہے جو انہیں نظامِ خلافت سے ہوتی ہے جس کا بھلا دیکھنا اُن کا مقصودِ حیات ہوتا ہے۔ یہ خوف اس وقت امن میں بدل جاتا ہے جب خدا تعالیٰ کی تقدیر ظاہر ہو جاتی ہے اور خدا کا منتخب کردہ ایک اَور وجود سامنے آ جاتا ہے۔ اس کیفیت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یوں بیان فرمایا ہے:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا۔..... ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا۔..... ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا''۔

(رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد نمبر 20 صفحہ نمبر 305)

جماعتِ مومنین پر جب بھی اس خوف کی حالت آئی اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل سے امن سے بدل دیا۔ جماعت کی تاریخ اس پر گواہ ہے اور یہ تو ابھی کل کی بات ہے کہ جب ہم سب اپنے پیارے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے سانحہ پر اس درد اور خوف میں مبتلا ہوئے اور پھر ہم نے اس خوف کو اس خوشخبری کے ساتھ یکدم دُور ہوتے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری سن لی ہے اور ہم پر پھر خلافتِ خامسہ کے رُوپ میں سایہ کا سامان کر دیا ہے۔ اس ایک لمحہ کی سکون کی سانس، خوشی کے آنسو اور اللہ تعالیٰ کے حضور کلمۂ شکر گویا حاصلِ زندگی تھے۔

اس مشاہدے کے بعد ہم سب اس حقیقت کے عینی گواہ ہیں کہ تسلسلِ خلافت کے ذریعہ مومنوں کے خوف کس طرح امن سے بدل جاتے ہیں۔

مخالفین کے فتنوں سے حفاظت: جب مخالف اپنی سازشوں سے مومنین کے لئے خوف کے حالات پیدا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خلفاء وقت کی راہنمائی فرماتا ہے اور اُنہیں وہ راہیں سجھاتا ہے جو مومنوں کو ان مخالفتوں، ابتلاؤں اور فتنوں سے بچاتی ہیں۔ ایسے کئی واقعات تاریخ کا حصہ ہیں جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں فتنہ ہائے ارتداد، منکرینِ زکوٰۃ اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی اسلامی ریاست کے خلاف محاذ آرائی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے وقت میں فتنۂ انکارِ خلافت، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے دَور میں اہلِ پیغام کی مخالفت، 1934ء کی احراری شورش، فتنۂ منافقین، 1947ء کی ہجرت، 1953ء کا ہنگامہ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کے وقت 1974ء کا ابتلاء۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے دَور میں 1984ء کا آرڈیننس اور ہجرت اور حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے وقت میں 2010ء کا سانحۂ لاہور ایسے واقعات تھے جن میں سے ہر ایک اپنی شدید خطرناکی کے سبب انتہائی خوف کا باعث تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر خلیفۂ وقت کی رہنمائی فرمائی اور مومنوں کی جماعت ہر ابتلاء سے بحفاظت اور سرخرو ہو کر گزر گئی۔

سوم پہلو: نظامِ خلافت کے پانے والوں کی ذمہ داریاں

بڑے انعام بڑی ذمہ داریوں کے متقاضی ہوتے ہیں۔ نظامِ خلافت سے وابستہ افراد کی ذمہ داریاں آیت استخلاف سے اگلی آیت میں یوں بیان ہوئی ہیں:

وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (النور:57)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

یہ تینوں ذمہ داریاں پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی پر محیط ہیں۔

پہلی ذمہ داری۔ نماز

نماز بندگی کی معراج ہے اور انسان کو اس کی پیدائش کے مقصد کی طرف متوجہ رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ سے تعلق، اس سے محبت اور اس کی رضا کی خاطر تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کرنا انسان کی روحانی ترقی کی راہ ہے اور نماز انسان کو اس راستہ پر ڈالتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نماز کا قیام پہلی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ اسی لئے اس فریضہ کی ادائیگی کے بارے میں خلفاء بار بار توجہ دلاتے ہیں۔

دوسری ذمہ داری۔ مالی قربانی

زکوٰۃ مالی قربانی کا فریضہ ہے اور یہ خدا کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرنے کی بنیادی تعلیم ہے۔ اصل حکم یہی ہے کہ انسان کو جو کچھ نعمتیں، صلاحیتیں اور استعدادیں عطا کی گئی ہیں وہ انہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ اور یوں انفاق فی سبیل اللہ کا حکم بہت وسیع ہے۔ اموال کی قربانی اس کا ایک حصہ ہے۔ اس دور میں بڑھی ہوئی مال کی محبت کے ساتھ یہ قربانی مشکل تر ہوگئی ہے اور اسی لئے زائد انعام کی حقدار ہے۔

اسی ذمہ داری کی مؤثر ادائیگی کے لئے خلفاء افرادِ جماعت کو بار بار مالی قربانی کی تحریک فرماتے ہیں اور ایسے مواقع بہم پہنچاتے ہیں جن میں یہ قربانیاں کی جاسکیں۔ ہر قسم کے چندے اس ذیل میں آتے ہیں اور یہ لازم ہے کہ ہم سب استعداد بھر مالی قربانی کر کے اس ذمہ داری کی ادائیگی کریں۔

تیسری ذمہ داری۔ اطاعت

اس آیت میں اطاعت کا حکم رسول کے حوالے سے دیا گیا جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے امیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا: جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

(مسند احمد بن حنبل والمذکر والتذکیر از علامہ ابن ابی عاصمؒ حدیث نمبر22)

اس حکم میں خلفاء کی اطاعت بدرجۂ اولیٰ شامل ہے۔

اطاعت۔ محبت سے

اطاعت کے محرک عام طور پر خوف یا محبت ہوتے ہیں لیکن خلیفۂ وقت کی اطاعت تمام تر محبت کا مضمون ہے۔ یہ محبت ہمارا سرمایہ ہے۔ ہم خلیفۂ وقت کو دیکھ کر جیتے ہیں اور ان کی خیر و عافیت ہمیں اپنی فلاح سے زیادہ محبوب ہے۔ یہی محبت ہمیں حضور کے ہر حکم کی تعمیل میں بے ساختہ حرکت میں لاتی ہے۔ اگر ہم لندن میں رات گئے خلیفۂ وقت کا یہ ارشاد سنتے ہیں کہ 'بیٹھ جائیں'۔ تو ہم وہیں کھلے آسمان تلے گردآلود سڑک پر آناً فاناً یوں بیٹھ جاتے ہیں گویا وہاں ہزار ہا افراد کا مجمع نہیں کوئی مشین تھی جس کا سوئچ دبا دیا گیا ہو۔

محبت سے ابلتے دل: احمدی خلیفۂ وقت سے بے پایاں محبت کرتے ہیں اور ہر دل اس محبت سے ابلتا رہتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ایک دفعہ ایک خط کے حوالہ سے فرمایا: ''کہ کس طرح TV پر حضور کی تصویر دیکھ کر ایک چھوٹی بچی لپکی اور تصویر پر انگلی رکھ کر بولی 'حضور!'۔ شائد اماں ابا کے بعد یہ پہلا لفظ تھا جو اس بچی کی زبان سے نکلا۔''

یہ محبت ہر احمدی کی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔

محبت سے دعائیں

یہ محبت دوطرفہ ہے جہاں افرادِ جماعت خلیفۂ وقت سے محبت کرتے ہیں اور اُن کے لئے دعائیں کرتے ہیں وہیں خلیفۂ وقت افرادِ جماعت سے محبت کرتے ہیں اور سب کے لئے دعا گو رہتے ہیں۔ خلفاء کی جماعت سے محبت کا نمایاں اظہار دعائیں ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق بھی یہی تھا۔ جیسا کہ فرمایا:

''مَیں ہمیشہ دعاؤں میں لگا رہتا ہوں اور سب سے مقدّم یہی دعا ہوتی ہے کہ میرے دوستوں کو ہموم اور غموم سے محفوظ رکھے کیونکہ مجھے تو ان کے ہی افکار اور رنج غم میں ڈالتے ہیں''۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ نمبر66)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں ایک ارشاد ہے:

''تم میں اور اُن میں جنہوں نے خلافت سے رُوگردانی کی ہے۔......ایک بہت بڑا فرق بھی ہے اور وہ یہ کہ تمہارے لئے ایک شخص تمہارا درد رکھنے والا، تمہاری محبت رکھنے والا، تمہارے دکھ کو اپنا دکھ سمجھنے والا، تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف جاننے والا، تمہارے لئے خدا کے حضور دعائیں کرنے والا ہے مگر اُن کے لئے نہیں ہے۔ تمہارا اُسے فکر ہے، درد ہے اور وہ تمہارے لئے اپنے مولیٰ کے حضور تڑپتا رہتا ہے مگر ان کے لئے ایسا کوئی نہیں ہے''۔

(برکاتِ خلافت انوار العلوم جلد2 صفحہ نمبر158، مطبوعہ فضل عمر فاؤنڈیشن)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسندِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پہلے خطبہ جمعہ میں اپنے لئے یہی راہ پسند فرمائی اور یہ چاہا کہ: ''اللہ تعالیٰ مجھے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کا درد مجھے اپنے درد سے بڑھ کر ہو جائے''۔

(خطباتِ مسرور جلد اوّل صفحہ نمبر6 نظارت اشاعت ربوہ۔ سنِ اشاعت2005ء)

مزید انعامات کی بشارت

اللہ کرے کہ ہم نظامِ خلافت سے متعلق ان تینوں ذمہ داریوں کو انتہائی اعلیٰ طور پر ادا کرنے والے اور اپنی اولادوں کو بھی اسی راستہ پر چلانے والے ہوں تا کہ یہ نعمت نسل در نسل منتقل ہوتی چلی جائے اور وہ سب حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی فرمودہ اس بشارت سے حصہ پانے والے ہوں:

''ہر وہ شخص جو خلافت سے جڑا رہے گا، جو اپنے ایمان اور اعمالِ صالحہ میں ترقی کرے گا اُسے اللہ تعالیٰ اُن انعامات کے نظارے کرائے گا جو خلافت کے ساتھ جڑے رہنے سے ہر فردِ جماعت پر بھی ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ خلافتِ احمدیہ کو بھی ایسے افراد عطا فرماتا رہے گا جو اخلاص و وفا میں بڑھتے چلے جانے والے ہوں گے جو قیام و استحکامِ خلافت کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دینے والے ہوں گے۔ جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ خود خلافت کی محبت سے بھر دے گا۔''

(خطاب فرمودہ خلافت جوبلی 27 مئی 2008ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 25 جولائی 2008ء)

محترم مولانا محمد عثمان چو چنگ شی صاحب (المعروف عثمان چینی صاحب)

(محمود احمد ملک)

خلافت احمدیہ کے بے مثال خادم اور احمدیت کے فدائی وجود مکرم و محترم محمد عثمان چینی صاحب (انچارج چینی ڈیسک یوکے) کی وفات 13 اپریل 2018ء کو لندن میں ہوئی۔ اس بزرگ وجود کی زندگی کا ایک ہی نصب العین تھا یعنی دین کو دنیا پر مقدّم رکھنے کا عزم۔ اپنی ذات کی ہر ضرورت پر، ہر پہلو سے، اسلام کی خدمت کو فوقیت دینا آپ کی فطرتِ ثانیہ بن چکا تھا۔ اور حقیقت یہی تھی کہ آپ کی حیات و ممات، چلنا پھرنا، سوچنا اور بات کرنا، کھانا پینا اور سونا مجسم عبادت بن چکا تھا کیونکہ ان کا مقصدِ حیات محض خدا اور رسول ﷺ کے دین کی محبت ہی تھا۔

سن 1989ء صد سالہ جوبلی کا سال اشاعتِ اسلام کے لحاظ سے بھی ایک عظیم الشان سال تھا۔ اسلام آباد (یوکے) میں قائم رقیم پریس روزانہ صبح 9 بجے سے شام 9 بجے تک (بارہ گھنٹے) مصروفِ عمل رہتا لیکن اس کے باوجود بے شمار اشاعتی کام دیگر پریس اور اشاعتی ادارے سرانجام دیتے۔ محترم مولانا محمد عثمان چینی صاحب اُن دنوں چینی ترجمہ قرآن کی اشاعت کے سلسلہ میں سنگاپور گئے ہوئے تھے جبکہ آپ کی فیملی اسلام آباد میں ہی مقیم تھی۔ جب محترم چینی صاحب سنگاپور سے واپس تشریف لائے تو اسلام آباد میں عموماً اور اسلام آباد کی مسجد میں خصوصاً رونق میں اضافہ ہوگیا۔ محترم چینی صاحب کی مسکراہٹ اور مشفقانہ انداز اب بھی وہی تھا جس سے ہم ربوہ میں اپنے بچپن سے آشنا تھے۔ ایسے بزرگوں سے ملنا اپنی ذات میں ہمیشہ ہی بڑا ایمان افروز ہوتا ہے۔

خاکسار اُن دنوں رقیم پریس کے شعبہ کمپیوٹر میں خدمت بجالا رہا تھا۔ پریس کے اوقات کے بعد مَیں قریباً روزانہ محترم چینی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر کچھ وقت گزارتا جو اکثر دو تین گھنٹے تک پہنچ جاتا تھا۔ آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کی طرف سے ذاتی خطوط کا جواب بھی دیتا۔ قریباً روزانہ ہی آپ رپورٹ نما خطوط حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں ارسال کیا کرتے جن میں عموماً آپ کے چینی ترجمہ قرآن کی ترسیل اور چینی علماء اور اداروں کی طرف سے اس ترجمۂ قرآن کے بارہ میں کئے جانے والے بے مثال اور خوبصورت تبصروں کا خلاصۃً ذکر ہوتا۔ کبھی آپ اپنا کوئی خواب بھی سناتے اور اُس کی وہ تعبیر بیان کرتے جو آپ سمجھتے تھے اور کبھی کوئی خواب بیان کرکے کہتے کہ اسے لکھ کر حضورؒ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) کو بھجوانا ہے کیونکہ اس میں فلاں پیغام ہے۔ کام کے دوران آپ کی زندگی کے کئی پنہاں خوبصورت پہلوؤں نیز آپ کی والدہ محترمہ کے حوالہ سے بھی باتیں ہوتیں۔ تصوّف کے بعض معاملات بھی حل ہوتے۔ آپ اکثر اپنے بعض پرانے خواب اور ایمان افروز سبق آموز واقعات بیان فرماتے۔

میرے لئے حیران کُن بات جس کا مَیں آپ سے اکثر اظہار بھی کرتا تھا، یہ تھی کہ سارا دن کام کرنے کے باوجود بھی آپ اُس وقت تک دفتر میں بیٹھے رہتے جب تک مَیں بیٹھنا چاہتا۔ تکان کے باوجود کبھی اُکتاہٹ کا اظہار نہ فرماتے۔ اکثر ڈکٹیشن دیتے ہوئے تکان کی وجہ سے کرسی پر ہی سوجاتے اور پھر آنکھ کھلنے پر پوچھتے کہ کتنی دیر سویا ہوں اور ہم کیا کر رہے تھے۔ عموماً آپ کے چہرہ پر دو ہی قسم کے تأثرات دکھائی دیا کرتے تھے۔ یا تو آپ کی شفیق اداؤں سے بھری ہوئی مسکراہٹ اور نرم خُوئی ہوتی یا پھر کسی اہم معاملہ پر تفکّر کرتی ہوئی سوچوں کا رازدار چہرہ نظر آتا۔ روزانہ ہی رات گئے جب مَیں آپ کو گھر تک چھوڑنے جاتا تو بھی آپ بار بار یہی اظہار کرتے کہ کام بہت کرنے والا ہے۔ اس ذمہ داری کا جواب دینا ہے جو ہم پر ڈالی گئی ہے۔ اگر کام کرنے کی توفیق بڑھ جائے تو تسلّی ہوگی۔ بارہا افسوس کا اظہار کرتے کہ ہمارا بہت سا وقت تو کھانے پینے اور حوائج ضروریہ کی نظر ہوجاتا ہے، پھر صحت قائم رکھنے کے لئے نیند اور سیر بھی ضروری ہے وغیرہ۔

جب خاکسار کو مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ کے رسالہ "طارق" کے اردو صفحات کی ادارت کی ذمہ داری سونپی گئی تو کچھ عرصہ بعد ان صفحات میں ایک تعارفی سلسلۂ شروع کیا گیا جس میں ایسے (غیر پاکستانی) خدّامِ احمدیت کے انٹرویوز پیش کئے جاتے تھے جنہوں نے پہلے خود احمدیت قبول کرنے کی سعادت پائی اور پھر اپنی زندگی خدمتِ دین کے لئے وقف کرنے کی توفیق بھی پائی۔ اسی سلسلہ میں خاکسار نے محترم چینی صاحب سے بھی انٹرویو دینے کے لئے عرض کیا تو آپ نے معذرت کی کہ ابھی بہت زیادہ ضروری کام کرنے ہیں۔ مَیں اکثر عرض کرتا کہ یہ سلسلہ شروع کرنے کا خیال مجھے محترم بشیر احمد آرچرڈ صاحب اور آپ کو قریب سے دیکھنے کے بعد پیدا ہوا ہے۔ محترم آرچرڈ صاحب، محترم حلمی الشافعی صاحب اور بعض دیگر بزرگوں اور دوستوں کا انٹرویو لے چکا ہوں اور اب آپ کا بھی انٹرویو لینا ہے جس میں آپ کی ذاتی اور جماعتی زندگی کے مختلف پہلو بیان کرنے ہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ تھا کہ پہلے تو آپ انٹرویو دینے کے لئے آمادہ ہی نہیں ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس طرح ذات کو نمایاں کرنا اچھا نہیں ہے اور خدمت کی توفیق تو دراصل فضلِ الٰہی ہی ہے۔ مَیں عرض کرتا کہ ہمارے رسالہ کے اس سلسلہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی پسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور پھر ایک دو بار قریباً ضد کرتے ہوئے خاکسار نے عرض کیا کہ اگر آپ اب بھی انٹرویو دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے تو مَیں اپنی یادداشت کی بنیاد پر خود ہی آپ کے بارہ میں ایک مضمون لکھ کر شائع کردوں گا جس میں آپ کے بیان کردہ فلاں فلاں واقعات اور خوابوں کا ذکر کروں گا اور یہ کہ پھر آپ کو اعتراض نہیں ہونا چاہئے......۔ میری بات سُن کر آپ ہنستے اور پھر بھی یہی کہا کرتے کہ ابھی بہت کام کرنا ہے جو زیادہ ضروری ہے۔

الغرض جب بھی انٹرویو دینے کی درخواست کرتا تو آپ چینی زبان میں تراجم اور دیگر کاموں کے بوجھ کا ذکر کرکے مجھے اس بات پر آمادہ کر لیتے کہ آج پہلے فلاں کام کر لیتے ہیں پھر گھر جاتے ہوئے اس پر بات کریں گے۔ عموماً میرے آنے سے قبل ہی آپ کے ذہن میں ہوتا تھا کہ مجھ سے اُس روز کیا کام لینا ہے۔ وقت کا ضیاع بالکل پسند نہیں تھا لیکن کام اس طرح نہیں لیتے تھے کہ مجھے کسی قسم کا بوجھ محسوس ہو۔ اسی لئے درمیان میں مختلف باتیں بھی کرتے رہتے۔ آپ انتہائی مصروف

الاوقات تھے۔ دعاؤں کی درخواستوں کے بہت سے خطوط بھی موصول ہوتے۔ سنگاپور اور چین میں تبلیغ کے حوالہ سے کئے جانے والے اقدامات نہایت حکمت کے متقاضی تھے۔ آپ کبھی کوئی قدم خلیفۂ وقت کی رہنمائی کے بغیر نہیں اٹھاتے تھے۔ اس بات پر بہت کرب محسوس کرتے کہ اردو پر دسترس نہ ہونے کی وجہ سے کہیں حضور کا ارشاد پوری طرح سمجھ نہ آیا ہو اور تعمیل میں کوتاہی ہوجائے۔ بعد میں چینی ڈیسک کے علاوہ لمبا عرصہ اسلام آباد جماعت کے صدر اور اسلام آباد مینٹیننس کمیٹی کے صدر کے طور پر بھی خدمات آپ کے سپرد رہیں۔ MTA کے لئے پروگراموں کی ریکارڈنگ اور اردو کلاس وغیرہ میں باقاعدہ حاضری میں بھی بہت سا وقت صَرف ہوتا۔ ایک شعبہ مہمان نوازی کا تھا جو قریباً سارا سال آپ کے گھر میں جاری رہتا۔ بارہا آپ کے غیرملکی مہمانوں کو لندن سے لانے اور واپس لے جانے کی سعادت بھی مجھے ملی۔ آپ نہ صرف اپنے مہمانوں کی ظاہری مہمان نوازی نہایت خلوص سے کرتے بلکہ اُن کی روحانی ترقی اور جماعتی تربیتی مقاصد کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھتے۔ چنانچہ آپ کی خدمات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جارہا تھا اور عمر بڑھنے اور کاموں کے غیرمعمولی بوجھ کی وجہ سے آپ میں کمزوری کے آثار بھی پیدا ہونا شروع ہوگئے تھے۔ Frozen Shoulder اور بعض دیگر طبّی مسائل بھی درپیش تھے۔

محترم محمد عثمان چینی صاحب کی روحانی زندگی سے آشنا ہونے کے بعد آپ کا انٹرویو شائع کرنے کی خواہش شدید تر ہورہی تھی۔ آخر جب مَیں نے ازخود مضمون لکھ کر شائع کرنے کی بار بار دھمکی دی اور غالباً ایک بار کچھ لکھ بھی لیا تو پھر محترم چینی صاحب نے کہا کہ وہ ذاتی طور پر تو کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہتے جس کا فائدہ صرف اُن کی ذات کو ہی ہو اور دین کو کوئی فائدہ نہ ہو کیونکہ ایسا کرنا وقت کا ضیاع بھی ہوگا۔ اس پر مَیں نے عرض کیا کہ آپ کا انٹرویو مستقبل میں بہت سے لوگوں کے لئے ہدایت کا باعث بھی بنے گا نیز دنیا بھر کے احمدی اور خصوصاً چینی قوم کے نواحمدی قیامت تک آپ کے لئے دعا کرتے چلے جائیں گے کہ اس وجود نے ہماری قوم میں احمدیت کا بیج بویا اور اُسے پروان چڑھایا تھا۔ اور یہ ایک ایسا نمونہ بھی ہوگا جس پر آئندہ زمانوں کے چینی احمدی چلنے کی کوشش کریں گے اور اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کریں گے۔ وغیرہ

چنانچہ چینی قوم میں تبلیغ کے نقطۂ نظر سے متعدّد بار اظہار کے بعد اور کافی اصرار کے نتیجہ میں آپ انٹرویو دینے کے لئے رضامند ہوگئے۔ کیونکہ اس سے قبل چینی صاحب نے کبھی کوئی باقاعدہ انٹرویو نہیں دیا تھا اور نہ ہی وہ آئندہ کبھی دینے کا ارادہ یا خواہش رکھتے تھے، اور اس خیال کو بھی مدّنظر رکھتے ہوئے کہ آئندہ اس انٹرویو کا چینی زبان میں ترجمہ کرکے بھی شائع کیا جاسکتا ہے، ساتھ یہ بھی طے پایا کہ یہ انٹرویو ہر پہلو سے اس لئے بھی مکمل ہونا چاہئے کیونکہ بہت سے چینی علماء اور دانشور آپ کے ترجمۂ قرآن کو پڑھنے کے بعد آپ سے ذاتی تعارف حاصل کرنے کے بھی خواہشمند تھے جس کا ذکر اُن کے خطوط میں ہوتا تھا۔ چنانچہ کئی نشستوں میں یہ انٹرویو مکمل ہوا۔ جسے ترتیب دینے اور فائنل ہونے کے بعد بار بار آپ نے سُنا، اصلاح کی اور تسلّی کی۔ اگرچہ میرے کئی سوالات آپ کی ذاتی اور روحانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارہ میں تھے اور محترم چینی صاحب نے جواب تو میرے ہر سوال کا دیا لیکن جب لکھنے کا وقت آیا تو کئی باتیں لکھنے کی اجازت نہ دی۔ اور صرف وہی باتیں لکھنے کی اجازت دی جن میں اپنی ذات کو اُجاگر کرنے کی بجائے اسلام کی محبت اور صداقت غالب نظر آتی تھی۔ نیز انٹرویو کے ساتھ آپ نے اپنی جو تصویر شاملِ اشاعت کرنے کے لئے دی اُس میں آپ نے اپنے ہاتھوں میں قرآن کریم کا چینی ترجمہ اُٹھا رکھا ہے۔

الحمدللہ کہ یہ انٹرویو نہ صرف قارئین کی طرف سے بہت پسند کیا گیا بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی اس پر بہت خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ ذیل میں **یہ انٹرویو معمولی لفظی تبدیلی کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہے** جو مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ کے رسالہ ''طارق'' 1997ء کے جلسہ سالانہ نمبر کی زینت بنا۔

....

مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا

مکرم ومحترم مولانا محمد عثمان چو چنگ شی صاحب

(المعروف محترم عثمان چینی صاحب)

رسالہ ''طارق'' کے اس کالم میں دنیا کے مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے ایسے فدائیانِ احمدیت کا تعارف پیش کیا جاتا ہے جنہوں نے پہلے خود قبولِ احمدیت کی سعادت حاصل کی اور پھر اس پیغام کو زمین کے کناروں تک پہنچانے کے لئے قابلِ قدر کوشش فرمارہے ہیں۔

آج ہم آپ کی ملاقات نہایت شفیق اور دعاگو بزرگ مکرم ومحترم مولانا محمد عثمان چو چنگ شی صاحب (المعروف محترم عثمان چینی صاحب) سے کروا رہے ہیں۔ آپ 13 دسمبر 1925ء کو چین کے صوبہ Anhui میں مکرم چوساؤفو صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباء واجداد کسی وقت جہازرانی کے ذریعہ تجارت کرتے تھے۔ بعد میں انہوں نے Anhui صوبہ میں زرعی زمین کا بہت بڑا رقبہ خرید لیا جس کے حصے کرکے وہ چھوٹے زمینداروں کو ٹھیکے پر دیا کرتے تھے۔ محترم عثمان صاحب کے والد تک پہنچتے پہنچتے یہ زمین بہت تھوڑی رہ گئی تھی چنانچہ آپ کے والد نے تجارت کرکے بھی بہت دولت حاصل کی اور ایک وسیع علاقہ خرید لیا۔ لیکن چین پر کمیونسٹ حکومت کے قبضہ کے بعد ان سے یہ زمین چھین لی گئی۔ ...... بہرحال یہ خاندان مالی طور پر بہت آسودہ تھا اور نیک فطرت بھی۔ چنانچہ آپ کے دادا نے اپنی زمین پر مسجد اور سکول تعمیر کروائے اور ان اداروں کو مستقل اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے زرعی زمین بطور عطیہ بھی دی۔

محترم عثمان صاحب کے والد کے ہاں گیارہ بارہ بچے پیدا ہوئے جن میں سے اکثر بچپن میں ہی فوت ہوگئے، صرف تین لڑکوں نے لمبی عمر پائی۔ جن میں سے آپ اُن کے منجھلے بیٹے ہیں۔ علاقہ کے کئی گاؤں آپ کے والد کی زیرنگرانی تھے جو بہت رحمدل اور شفیق ہونے کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔

محترم عثمان صاحب کے دل میں بچپن سے ہی دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق موجزن تھا۔ قریباً نصف صدی قبل جب حضرت چودھری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ برطانوی حکومت کی طرف سے چین میں ہندوستان کے نمائندہ کے طور پر متعین تھے تو انہوں نے چین کے مسلم رہنماؤں کو نصیحت فرمائی کہ وہ اسلامی تعلیمات سیکھنے کے

لئے چین کے مسلمانوں کو ہندوستان بھجوائیں۔ حضرت چودھری صاحب کا یہ پیغام مسلم ایسوسی ایشن کے مقامی عہدیدار کے ذریعہ محترم عثمان صاحب تک بھی پہنچا۔ اس سے پہلے آپ دینی تعلیم کے حصول کے لئے ترکی جانا چاہتے تھے اور بعد میں بھی 1948ء کے وسط تک وہاں جانے کی کوشش کرتے رہے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوسکی۔ چنانچہ 1949ء میں آپ نے تین دیگر نوجوانوں کے ہمراہ دینی تعلیم کے لئے پاکستان کا سفر اختیار کیا۔ اس وقت آپ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے اور گریجوایشن کر رہے تھے۔ گو اس وقت چین پر کمیونسٹ حکومت کا قبضہ نہیں ہوا تھا لیکن ملک سے باہر جانے کی آسانی سے اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ چنانچہ کنٹون کے علاقہ میں مقیم ایک احمدی ماہر امراضِ چشم مکرم ڈاکٹر لطیف احمد صاحب نے پاسپورٹ کے حصول اور دیگر سفری معاملات میں آپ کی مدد کی۔

محترم عثمان صاحب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بحری جہاز کے ذریعہ روانہ ہوئے اور سنگاپور اور انڈیا سے ہوتے ہوئے پاکستان تشریف لائے۔ سنگاپور میں آپ کی ملاقات مبلغ سلسلہ محترم مولانا غلام حسین ایاز صاحب سے بھی ہوئی اور آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چند روز اُن کے پاس مقیم رہے اور ان کی راہنمائی سے ہی دینی تعلیم کے حصول کے لئے ربوہ آگئے۔ محترم ایاز صاحب کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے بیان کیا کہ وہ بہت نیک اور پارسا شخص تھے اور نماز تہجد میں گریہ وزاری ان کا معمول تھا حقیقتاً فنافی اللہ تھے۔

محترم عثمان صاحب نے یہ بھی بیان کیا کہ چین سے روانگی سے پہلے گو آپ نماز شوق سے پڑھتے تھے لیکن باقاعدگی نہیں تھی۔ چنانچہ جب آپ دینی تعلیم کے حصول کے لئے روانہ ہوئے تو آپ کو احساس ہوا کہ ایک دہریہ ملک سے آپ کا یہ سفر محض خدا کی خاطر خدا کو پانے کے لئے ہے۔ چنانچہ آپ نے دل میں یہ عہد کئے کہ اوّل کسی نیک مشورہ کو ماننے میں تأمّل نہیں کریں گے اور دوسرے یہ کہ جو نیک بات سیکھیں گے اس پر خود عمل بھی کریں گے۔ چنانچہ نماز میں باقاعدگی اختیار کرنا آپ کا پہلا کام تھا۔

محترم عثمان صاحب ربوہ پہنچ کر جامعہ احمدیہ میں داخل ہوگئے۔ دورانِ تعلیم ہی آپ نے احمدیت کے بارہ میں تحقیق کی اور دعا بھی کی اور پھر 1956ء کے لگ بھگ بیعت کی سعادت حاصل کی۔ محترم عثمان صاحب نے بتایا کہ قبولِ احمدیت سے پہلے آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ طریقوں کے مطابق تحقیق کی یعنی نقلی دلائل، عقلی دلائل اور نشانات۔ ایک بار حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خواب میں آکر آپ کو ایک دعا بھی سکھلائی جو بعد میں اگرچہ آپ کو یاد نہ رہی لیکن پہلا لفظ یاد رہا یعنی ''اَللّٰھُمَّ'' اور اس خواب کا اثر دل پر اب بھی قائم ہے۔ جب آپ نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ تمہیں دعائیں کرنے کی خاص توفیق ملے گی۔

ربوہ آنے کے بعد آپ کو کئی بار اعتکاف کرنے اور خدا تعالیٰ کے حضور کی جانے والی دعاؤں کی استجابت کا خود مشاہدہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب آپ پہلی بار اعتکاف بیٹھے تو یہ معلوم ہونے پر کہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی زبان میں بھی دعائیں کرنی چاہئیں، آپ نے چینی زبان میں ایک نظم تحریر کی جس میں خدا تعالیٰ کی صفات بیان کرکے دعائیں کیں۔ ان دعاؤں میں خصوصیت سے خدمتِ دین کی توفیق عطا ہونے اور اپنے والدین سے ملنے کی دعا تھی۔ آپ نے بتایا کہ آپ ان دعاؤں میں سے اکثریت کے مقبول ہونے کے شاہد ہیں اور اس نظم کو اب بھی پڑھا کرتے ہیں اور لطف اٹھاتے ہیں۔

آپ کی اپنے والدین سے ملاقات کی خواہش کرنے والی دعاؤں کے جواب میں مختلف اوقات میں (کم از کم دس بار) اللہ تعالیٰ نے خواب کے ذریعہ آپ کو یہ بشارت دی کہ آپ کی اپنی والدہ سے ملاقات ہوجائے گی البتہ والد سے نہیں ہوسکے گی۔ چنانچہ آپ کے والد کی وفات کے بعد آپ کی والدہ پاکستان تشریف لائیں اور قریباً پندرہ سال آپ کو اپنی والدہ کی خدمت کی توفیق ملی۔ آپ کی والدہ بہت نیک، پارسا اور عبادت گزار خاتون تھیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ و مخاطبہ کا شرف بھی حاصل تھا۔ سوائے چینی صاحب اور آپ کے ایک چھوٹے بھائی کے، اُن کے سارے بچے اُن کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے اور یہ صدمات انہوں نے بڑے صبر، حوصلہ اور دعائیں کرتے ہوئے برداشت کئے تھے۔ اُن کا پاکستان آنا بھی معجزہ سے کم نہیں تھا۔ اس بارہ میں حضرت چودھری محمد ظفراللہ خان صاحبؓ نے خاص مدد کی تھی اور وہ 1964ء میں پاکستان آگئیں۔ 1978ء میں اُن کی وفات ہوئی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین عمل میں آئی۔

1959ء میں محترم محمد عثمان صاحب نے اپنی زندگی خدمت دین کے لئے وقف کردی اور 1960ء میں جامعہ احمدیہ سے شاہد کی ڈگری حاصل کی۔ جامعہ احمدیہ کے آخری سال میں آپ نے ''کنفیوشس ازم'' پر ایک مبسوط مقالہ رقم کیا۔ آپ کی پہلی باقاعدہ تقرری وکالت تصنیف تحریک جدید میں ہوئی اور آپ کا علمی میدان میں پہلا کام حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب'' کا چینی زبان میں ترجمہ تھا۔ پھر آپ کو بطور مبلغ سنگاپور بھجوادیا گیا جہاں آپ نے ساڑھے تین برس خدمات انجام دیں اور اسلام کی حمایت میں چینی زبان میں ایک کتاب "Essence of Islam" بھی تصنیف کرکے شائع کروائی۔ 1970ء میں پاکستان واپس آنے سے پہلے آپ نے ملائشیا میں چار ماہ قیام کیا۔ ربوہ پہنچنے کے بعد آپ کی تقرری دوبارہ وکالت تصنیف میں ہوئی جہاں آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے چینی ترجمہ پر نظرِ ثانی کا کام کیا۔ 1971ء میں آپ کو ڈرگ روڈ کراچی میں بطور مبلغ سلسلہ تعینات کیا گیا۔ 1973ء میں آپ نے مختصر مدّت کے لئے ربوہ تشریف لاکر اپنے مقالے ''کنفیوشس ازم'' پر مزید تحقیقی کام کیا اور پھر 1975ء میں دوبارہ ڈرگ روڈ کراچی میں مربی سلسلہ متعیّن ہوئے۔

خلافت رابعہ کے دَور میں چینی زبان میں تحقیق و تصنیف کا کام محترم عثمان چینی صاحب کے سپرد کیا گیا اور آپ نے ''اسلام اور دیگر مذاہب'' کے عنوان سے چینی زبان میں ایک مقالہ سپردِ قلم کیا اور پھر حضور انور ایدہ اللہ کی زیر ہدایت چینی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ کے اہم کام کا آغاز کیا۔

محترم عثمان صاحب نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ آپ کے ساتھ بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً ایک بار موسمِ گرما میں حضورؓ مری میں قیام فرما تھے۔ جب کسی معمولی سے کام کے سلسلہ میں آپ کو وہاں طلب فرمایا اور کچھ عرصہ بعد فرمایا کہ اصل میں تو مَیں تمہیں اس موسمِ گرما میں

چند روز مری میں ٹھہرانا چاہتا تھا۔

محترم عثمان صاحب نے بتایا کہ ایک بار آپ نے خواب میں اپنے آپ کو عرب ممالک میں دیکھا۔ یہ خواب حیرت انگیز طور پر پوری ہوئی اور بعد میں آپ کو نہ صرف ارضِ حجاز جا کر عمرہ ادا کرنے کی توفیق اور سعادت ملی بلکہ کویت، عراق، شام، اُردن اور عدن وغیرہ بھی دیکھنے کا موقع ملا اور لمبے صحرائی سفر کا تجربہ بھی ہوا۔

1984ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی لندن ہجرت سے چند روز قبل اللہ تعالیٰ نے آپ کو خواب کے ذریعہ حضور کے باحفاظت سفرِ ہجرت کی بشارت دی۔ کئی اَور مواقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کی راہنمائی فرمائی۔ 1991ء میں حضور انور کے دورۂ قادیان سے پہلے آپ نے جو خواب دیکھا اس کا ذکر بھی حضور انور نے خود جلسہ سالانہ قادیان میں فرمایا۔

1986ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشاد پر محترم عثمان چینی صاحب برطانیہ تشریف لے آئے اور اسلام آباد (ٹلفورڈ) میں مقیم ہوئے۔ حضور انور کے ارشاد پر جب مختلف زبانوں میں تحقیق و تصنیف کے کام کو تیزی سے بڑھانے کے لئے مختلف ڈیسک قائم ہوئے تو محترم عثمان صاحب کو چینی ڈیسک کا انچارج مقرر کیا گیا۔ آپ کا پہلا کام چینی زبان میں طبع شدہ مذکورہ بالا دو کتب کے ترجمہ پر نظرِ ثانی کرکے اُن کی دوبارہ طباعت کا اہتمام کرنا تھا۔

1988ء میں قرآن کریم کا چینی زبان میں ترجمہ مکمل کرنے کے بعد آپ نے سنگاپور اور چین کا سفر اختیار کیا اور کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایک سال سے زائد مدّت تک آپ وہاں مقیم رہے۔ اسی عرصہ میں آپ نے قرآن کریم کی منتخب آیات، منتخب احادیث النبی ﷺ اور منتخب تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چینی تراجم بھی مکمل کرواکے شائع کروائے اور دیگر لٹریچر بھی شائع کرنے کا انتظام کیا۔ برطانیہ واپس آکر آپ نے ایک اور کتاب "Why I believe in Islam" کے ترجمہ پر نظر ثانی کرکے اس کی طباعت کا انتظام کیا۔ نیز حضور انور ایدہ اللہ کے کتابچہ ''چینی بھائیوں کے نام ایک محبت بھرا پیغام'' کا چینی زبان میں ترجمہ کرواکے شائع کروایا اور اس کتابچہ کا تعارف خود تحریر کیا۔

1991ء میں آپ کی ایک اور تصنیف "Islam Among Religions" شائع ہوئی جس میں آپ نے کنفیوشس ازم، تاؤازم، موہ ازم، ہندومت، بدھ مت، یہودیت اور عیسائیت کا تجزیہ کرنے کے بعد ان کا اسلام کے ساتھ موازنہ کرکے یہ ثابت کیا کہ فقط اسلام ہی تمام زمانوں کی ضروریات کو پورا کرنے والا مذہب ہے۔ اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے چینی علاقے فارموسا کی سب سے بڑی مسجد Taibei کے پیش امام نے (جو رابطہ عالم اسلامی کے رُکن بھی تھے) یہ لکھا کہ ''آپ کا موازنہ مذاہب بہت عمیق، وسیع اور مدلّل ہے۔ اس کے نتیجہ میں اسلام کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے جیسے پتھروں کے مقابلہ میں ہیرا......اور یہ اسلامی علوم کی تحقیق کا نیا انداز ہے جو پہلے کہیں نہیں پایا جاتا...... اس میدان میں کام کرنے والے چینیوں میں آپ پہلے شخص ہیں۔''

1989ء میں محترم عثمان صاحب کے سسر Mr Hsu Shi Chien لندن تشریف لائے اور احمدیت کے بارہ میں تحقیق کرنے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے دستِ مبارک پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔ وہ چین میں اپنے علاقہ کے معروف دینی راہنما اور امام تھے۔ 1990ء میں چین میں اُن کی وفات ہوگئی۔

محترم چینی صاحب آجکل اسلام آباد (برطانیہ) میں اپنی اہلیہ محترمہ اور تین بچوں کے ساتھ مقیم ہیں۔ جماعت احمدیہ اسلام آباد کے صدر اور امام الصلوٰۃ ہیں۔ چینی ڈیسک کے انچارج ہیں اور حضور انور ایدہ اللہ کی ہدایات کے مطابق چینی لٹریچر کی تیاری، طباعت اور ترویج کا انتظام کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ انٹرنیشنل پر چینی زبان میں دینی پروگرام اور چینی زبان سکھلانے کے پروگرام پیش کرتے ہیں اور حضور انور کے زبانیں سکھلانے کے پروگرام میں بھی شریک ہوتے ہیں۔

1993ء میں آپ نے چینی زبان میں ایک اور تصنیف کی جس میں چینی ترجمۂ قرآن کے حوالے سے موصول ہونے والے بعض تعریفی خطوط شامل کئے گئے جن میں مختلف حلقوں کی طرف سے اس ترجمہ پر کئے جانے والے اعتراضات کا مدلّل جواب بھی دیا گیا ہے۔ آپ کے ترجمۂ قرآن کو چین کے علماء، آئمہ، صحافتی اداروں، مدارس کے سربراہوں، مسلم ایسوسی ایشن کے عہدیداروں، عام مسلمانوں اور غیرمسلموں کی طرف سے بہت پذیرائی حاصل ہوئی اور ایک سو سے زائد خطوط موصول ہوئے جن میں آپ کے ترجمۂ قرآن کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔

شنگھائی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے لکھا: ''اب تک شائع ہونے والے تراجم میں آپ کا ترجمہ زبان کی خوبصورتی، طباعت کی دلکشی، تفسیری نوٹس کی سلاست اور علمی وسعت کے اعتبار سے اس دَور کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ آپ نے اسلام اور جماعت احمدیہ کی ترجمۂ قرآن کی صورت میں عظیم تاریخی خدمت سرانجام دی ہے......۔''

اسی طرح چائنا مسلم ایسوسی ایشن کے ایک صوبائی سیکرٹری نے لکھا:

''میرے پاس قبل ازیں چار تراجم موجود ہیں جن کی اپنی منفرد خصوصیات ہیں ......لیکن آپ کا ترجمہ اعلیٰ تر ہے، تحریر مقدّس، ٹھوس اور جامع ہے اور آپ کی وسعتِ علمی کی شاہکار ہے......''۔

بعض اخبارات و رسائل نے بھی ترجمۂ قرآن پر شاندار ریویو تحریر کئے۔ مرکزی چائنا اسلامک ایسوسی ایشن کے جریدہ ''چائنا مسلم'' کے مدیر نے لکھا: ''آپ کا چینی ترجمۂ قرآن ایک عظیم الشان کامیابی ہے اور بلاشبہ اس کی اشاعت، تعلیماتِ اسلامیہ اور اسلامی ثقافت کیلئے عظیم الشان Contribution ہے۔''

چینی ایسوسی ایشن آف ریلیجنس سٹڈیز بیجنگ کے نائب صدر نے (جو غیرمسلم ہیں) محترم عثمان صاحب کے نام اپنے مکتوب میں یوں خراجِ تحسین پیش کیا کہ:

''آپ کی علمیت نہایت مستند ہے اور آپ ہمارے لئے بزرگ عالم ہیں۔ آپ کا ترجمہ دیگر تراجم کے مقابل پر کئی خصوصیات کا حامل ہے...... بہت سے نکاتِ بصیرت اس میں بیان کئے گئے ہیں......اسے پڑھنے سے قرآن کریم کے وسیع اور گہرے علوم کے ادراک میں اضافہ ہوا ہے۔''

محترم عثمان چینی صاحب نے خدام کو نصیحت کرتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی صفات کے رنگ اپنی ذات کے اندر بھی پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ (............مطبوعہ انٹرویو یہاں ختم ہوا)

(باقی آئندہ شمارہ میں۔ انشاء اللہ)

آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طُور کی!

(عبدالرحمٰن شاکر)

چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں جب عیسائیت نے عروج پکڑا تو یونان میں بھی یہ مقبول ہوئی۔ ان دنوں یونان کی حکومت بہت وسیع تھی اور مصر بھی اس کا ایک ماتحت صوبہ تھا۔ یونان کلیسا کے آرچ بشپ سکندریہ میں ہی رہتے تھے چنانچہ اس وقت سے لے کر اب تک سنائی کا علاقہ جس میں کوہ طور واقعہ ہے۔ انہی آرچ بشپ کے حلقہ میں ہے اور کوہ طور پر جانے کیلئے مذکورہ صدر بشپ سے تحریری اجازت حاصل کرنی ہوتی ہے جس کے بغیر وہاں کے راہب کسی کو مقامات مقدسہ کی زیارت نہیں کراتے۔ ویسے سیاسی طور پر سنائی مصری حکومت کا حصہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے تو موجودہ Bitter lakes (تلخ آب جھیلوں) میں سے گزرے تھے۔ آج تو اس جگہ نہر سویز بہہ رہی ہے۔ اُس زمانہ میں یہاں نرسل کے جھاڑ تھے اور یہیں فرعونِ مصر غرق ہوا تھا۔

سویز سے فاران تک

اگر ہم سویز کے مقام پر کھڑے ہو کر نہر کے پار پتھر پھینکیں تو وہ سنائی کے علاقہ میں گرے گا۔ نہر کا پُل پار کر کے پتھریلے علاقہ میں سے گزرنا ہوتا ہے۔ پرانے وقتوں میں تو یہ سفر آٹھ دس دن لیا کرتا تھا مگر آج کل تیز رفتار موٹروں کا زمانہ ہے اس لئے سویز سے صبح سویرے چل کر خانقاہ سینٹ کیتھرائن تک ہم مغرب کے قریب پہنچ سکتے ہیں مگر ہمیں چونکہ کوئی عجلت نہیں ہے اور ہم نے سیر کرنی ہے اس لئے موٹر پر آہستہ آہستہ چلیں گے۔

پورٹ توفیق سے ہمارا سفر جانب جنوب شروع ہوگا آپ یہ نہ خیال کریں کہ کوئی پکی کول تار بچھی ہوئی سڑک ہوگی بلکہ اس علاقہ میں سڑک سے مراد صرف اور صرف کسی پہلے گزرنے والی موٹر کار کے نشانات ہوتے ہیں۔ جب کبھی اس علاقہ میں بارش ہو جائے تو بڑے بڑے پتھر لڑھک کر رہے سہے رستے کے نشانوں کو بھی مٹا جاتے ہیں۔ تب مصری حکومت سویز سے مرمت کرنے والی پارٹی بھجواتی ہے۔ وہ جب راستہ صاف کر دیتی ہے تو گورنر سنائی اعلان کر دیتا ہے کہ سینٹ کیتھرائن کو جانے والی سڑک کھل گئی ہے۔

جس وقت کبھی ریتلے اور کبھی پتھریلے علاقہ میں موٹر بھاگ رہی ہوتی ہے تو قدم قدم پر خیال آتا ہے کہ اب ہم چند دنوں کے لئے تہذیب وتمدن کو چھوڑ کر ایسے بے آب وگیاہ ویرانوں میں جارہے ہیں جہاں پر کبھی بنی اسرائیل برسوں پھرتے رہے تھے۔ کوسوں تک نہ کہیں سبزہ، نہ پانی اور نہ آبادی خشک چٹانیں ہیں یا جلے ہوئے پہاڑ۔ تمام علاقہ زرد بھورے رنگ کی پہاڑیوں سے اٹا پڑا ہے۔ تاہم اس ویرانے میں بھی کہیں نہ کہیں چند انسان مل ہی جاتے ہیں جو اِدھر اُدھر سے لکڑی فراہم کر کے اس کا کوئلہ بناتے ہیں اور سویز آ کر فروخت کرتے ہیں۔

اُور آگے بڑھیں تو پہاڑیاں بھی بلند ہونے لگتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ان پہاڑیوں میں عجیب وغریب رنگ پائے جاتے ہیں گلابی، ہلکے نیلے، پیلے، اودے اور ہلکے سبز۔ دوپہر سے قبل ہم خلیج سویز کے کنارے ایک ڈاک بنگلہ میں پہنچیں گے اس مقام کا نام ابوزنیمہ ہے یہاں پر سمندر کے کنارے سیپ بہت ملتے ہیں جن کے نہایت پیارے رنگ ہوتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں ان سیپوں کی بھی عجیب قسمت ہے۔ ان کو ہم بہت شوق سے تلاش کرتے ہیں۔ کھولتے ہیں اور پھر نہایت بددلی سے پھینک دیتے ہیں۔ ابوزنیمہ سے چند میل پر مینگنیز کی کانیں ہیں جو اِن کانوں سے نکالا جاتا ہے اور ٹرکوں میں لاد کر قاہرہ لے جایا جاتا ہے۔

اب ہمارا راستہ قدرے بلند پہاڑوں سے گزرتا ہے۔ سورج ان کے پیچھے سے طلوع ہوتا ہے اور جب تک کافی بلند نہ ہو جائے دھوپ اس وادی میں نہیں آسکتی اور جب دھوپ چمکنے لگتی ہے تو یہ وادی اشرقت الارض بنور ربّھا کا نظارہ پیش کرتی ہے۔ اور تازگی کے لحاظ سے زندہ معلوم ہونے لگتی ہے۔

اب ہمارا راستہ ''ویرانہ زن'' میں سے گزرتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس کے متعلق بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گستاخی سے پیش آتے ہوئے کہا تھا کہ تُو ہم کو کہاں لے آیا ہے؟ جا تُو اور تیرا ربّ لڑتے پھرو۔ ہم تو یہاں سے آگے بڑھنے کے نہیں۔ اور پھر اس بے عملی اور بزدلی کی وجہ سے یہ بنی اسرائیل چالیس برس تک اس بیابان میں (جس کی وجہ سے اس ساری وادی کو بھی فاران کہا جاتا ہے) بھٹکتے پھرے تھے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مصر کی سبزیاں، پیاز، لہسن، دالیں وغیرہ طلب کی تھیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں خدا تعالیٰ کی حکمت سے بٹیر اس کثرت سے آجایا کرتے تھے کہ ہاتھوں میں آپ گرے پڑتے تھے اور ذرا سی کوشش سے ایک شخص اپنی جھولی بھر کر لے جاسکتا تھا اور جس قدر وہ چاہے مَن مل جاتا تھا۔ لیکن وہ اس پر قانع نہ تھے اور اس خوراک کو ناپسند کرتے تھے۔ غرض یہ زمانہ بنی اسرائیل کے لئے بڑے ابتلاء کا زمانہ تھا۔

بہرحال یہ میدان طے کرنے کے بعد اگر ہم مشرق کو مڑ جائیں تو پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک اَور وادی شروع ہو جاتی ہے۔ یہ تقریباً تیس میل لمبی ہے۔ دو رویہ نہایت بلند قامت پہاڑ آسمان سے باتیں کرتے معلوم ہوتے ہیں۔ گھاس، پھول اور جھاؤ کے جس قدر بھی رنگ ہو سکتے ہیں وہ سب قدرت نے اِن پہاڑوں میں بکھیر دیئے ہیں۔ انسانی آنکھ یہاں کے قدرتی مناظر سے سیر نہیں ہو سکتی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ خود قدرت کا بھی ان حسین رنگوں کے امتزاج سے دل بہل رہا ہے۔ سورج کی روشنی میں یہ رنگ اور بھی نکھر جاتے ہیں۔ یہاں قدرت اپنے تمام حسن لازوال سے مرصّع نظر آتی ہے۔ آخر ایسا کیوں نہ ہوتا۔ یہی جگہ تو خدا کی تجلی گاہ بنی تھی۔

غرض تھوڑی دُور آگے بڑھ کر چھوٹے چھوٹے پرندے اُڑتے نظر آتے ہیں۔ جس سے خیال ہوتا ہے کہ انسانی آبادی یہیں کہیں قریب ہی ہوگی۔ تھوڑی دیر مزید سفر کرنے کے بعد دُور سے ایک سیاہ خیالی سا نظر آنے لگتا ہے اور قریب جانے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ نخلستان ہے۔ اسی نخلستان کا نام فاران ہے۔ اس میں

ایک باغ بھی ہے جس کے اندر مکانات ہیں۔ باغ چاردیواری کے اندر ہے۔ دروازے کو کھٹکھٹانے سے اور سوراخ سے جھانکنے سے ہم کو ایک بوڑھا ڈاکو نما یونانی پادری نظر آئے گا جو آج سے 90 سال پہلے کی بندوق اٹھائے چلا آرہا ہے۔ وہ دیوار کے اوپر سے جھانک کر دیکھتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ آپ کو یہاں پر کیا کام ہے؟ آپ بتلاتے ہیں کہ ہم سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ کو پرمٹ لے کر جارہے ہیں اور یہاں ذرا ستانے کی غرض سے آئے ہیں تو وہ اس پر دروازہ کھول دے گا اور آپ باغ کی سیر کر سکیں گے۔ اندر نہایت خوشنما باغیچہ ہے۔ پھل، پھول اور ترکاریاں بہار دے رہی ہیں۔ سینٹ کیتھرائن کے راہبوں کو اسی مقام سے سبزیاں وغیرہ سپلائی ہوتی ہیں۔ قریب ہی ایک پرانے گرجا کے کھنڈر نظر آتے ہیں جس کے چند ستون ابھی قائم ہیں۔

بعثتِ اسلام سے قبل بھی یہاں پر عیسائی پادری رہا کرتے تھے۔ فاران کی بستی کے اردگرد اور بھی کئی بستیاں آباد ہوئی تھیں اور قریبی پہاڑوں میں بے شمار عیسائی راہب رہا کرتے تھے۔ جگہ جگہ پہاڑوں میں غار ہیں۔ اُن میں سے بعض میں اب بھی سالم انسانی ڈھانچے ملتے ہیں۔ اس آبادبستی کو اُس زمانہ کے وحشی قبائل نے محض لوٹ مار کے جذبہ سے تباہ کر دیا تھا۔ فاران کے خوشگوار سائے کو چھوڑ کر اب ہم دوبارہ سرگرمِ سفر ہوتے ہیں۔ پھر اسی چندھیا دینے والی دھوپ اور بلند پہاڑوں سے واسطہ پڑے گا۔ اب شام پڑ چکی ہے۔ کافی دیر سفر کرنے کے بعد ایک پہاڑ کا چکر کاٹ کر جو آگے بڑھیں تو کوہ طور کے دامن میں سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ یوں نظر آتی ہے جس طرح زمین پر ایک گھونسلا رکھا ہو۔ نہایت بلند پہاڑوں کے دامن میں یہ راہب خانہ بالکل حقیر سا نظر آتا ہے۔ مگر اس کی تاریخی عظمت بہت بڑی ہے۔ اب ہم اَور قریب آگئے ہیں اور سرو کے درخت نظر آنے لگے ہیں اور ایک قلعہ نما عمارت بھی۔ شام کے جھٹ پٹے میں جب ہم اپنی موٹر کی تیز روشنی میں خانقاہ کی دیواروں پر دیکھیں تو تین چار کالی کالی شکلیں ہمیں نظر آئیں گی۔ یہ راہب ہیں جو ہمیں دیکھنے کے لئے اُوپر آئے ہیں۔ جس جگہ جا کر ہماری موٹر رُک گی یقیناً وہ جگہ اُس جگہ سے دُور نہ ہوگی جہاں پر بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طُور سے واپسی کے منتظر رہے تھے۔ یہ مقام سطح سمندر سے چار ہزار فٹ بلند ہے۔ شام پڑتے ہی اس علاقہ کی ہوا بہت خنک ہوجاتی ہے اور سردی چمک اُٹھتی ہے۔ ہماری آمد سے اس مختصر سی بستی میں ایک چہل پہل نظر آنے لگی ہے۔ بچے، عورتیں اور مرد ہماری کار کے گرد جمع ہیں اور اسباب اُتارنے میں ہماری مدد کر رہے ہیں۔ موٹر یہیں رہے گی۔ اس پر خانقاہ کے خادم پہرہ دیں گے۔

کافی دیر کے بعد بڑا دروازہ کھلتا ہے۔ چند نوجوان پادری آگے آتے ہیں۔ علیک سلیک کے بعد ہم نے ان کو بشپ آف سنائی کا پروانہ راہداری دکھایا اور انہوں نے مطمئن ہو کر اندر آنے کی ہمیں اجازت دی۔

یہ زردرُو پادری جو یونانی کلیسا کے مرید ہیں 561 عیسوی سے اسی طرح یکے بعد دیگرے ...... یہاں اقامت پذیر چلے آرہے ہیں۔ ان لوگوں کے بال لمبے ہوتے ہیں جن کو سر پر لے جا کر جوڑا بنا لیا جاتا ہے۔ سروں پر کالی سیاہ ٹوپیاں ہوتی ہیں۔ اُن کی کالی سیاہ داڑھیاں نہایت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اُن میں سے بعض راہب تو چند سالوں کے بعد دوسری جگہوں پر چلے جائیں گے اور بعض یہاں عمر بھر کے لئے مقیم ہیں۔ ہمیشہ ان کی تعداد تیس اور چالیس کے درمیان رہتی ہے۔ اُن میں بعض بوڑھے بھی ہیں۔ مگر یہ لوگ محض راہب نہیں ہیں بلکہ بڑھئی، فٹر اور ہر قسم کے کاریگر ہیں اُن میں سے بعض کئی زبانوں کے ماہر ہیں ان کے پاس ریڈیو بھی ہوتا ہے تا کہ باہر کی خبریں سن سکیں۔ مہینے میں ایک بار Tor سے ڈاک یہاں آتی ہے تو اخبارات اُن کو ملتے ہیں۔

عمارتوں کے چکّر میں سے گزرتے ہوئے پتھریلے راستوں پر چل کر ہم کو مہمان خانہ میں لے جایا جاتا ہے جو ایک بالا خانہ میں ہے۔ حال احوال دریافت کرنے کے بعد ایک نوجوان راہب ''عرق'' لے کر آتا ہے جو دراصل کھجوروں کا شربت ہوتا ہے کھانا کھلا کر مسافروں کو آرام کے لئے بھجوا دیتے ہیں۔

مہمان خانہ میں اس خانقاہ کے قواعد کی کتاب پڑی ہوئی ہے جو چار زبانوں میں ہے یعنی یونانی، عربی، انگریزی اور فرنچ۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے راہبوں کو کچھ نہ کچھ آمد بھی ہوجاتی ہے۔ موٹے موٹے قواعد حسب ذیل ہیں:

(1) ہر شخص جو اس احاطے کے اندر رات بسر کرنی چاہے وہ اپنی رہائش اور خوراک کے لئے ایک پاؤنڈ (مصری) روزانہ ادا کرے گا۔ بغیر خوراک کے نصف پاؤنڈ۔
(2) اگر کوئی شخص خانقاہ کے باہر (اپنے لائے ہوئے خیمہ میں) رات بسر کرے تو وہ 25 پیاسٹر ادا کرے گا۔ (ایک مصری پاؤنڈ میں ایک سو پیاسٹر ہوتے ہیں)
(3) اس خانقاہ میں داخلہ کے لئے 25 پیاسٹر فیس مقرر ہے۔
(4) کوہ سنائی پر جانے کی فیس 25 پیاسٹر ہے۔
(5) کوئی شخص کوہ سنائی پر اکیلا نہیں جا سکے گا۔ بلکہ خانقاہ کا ایک راہب ہمراہ ضرور جائے گا۔ اس کی فیس زائر کو 50 پیاسٹر ادا کرنی ہوگی۔

رات کے ساڑھے تین بجے ایک گھنٹی بجتی ہے اور تمام راہب بیدار ہو کر عبادت کے لئے جمع ہوجاتے ہیں۔ یہ عبادت اُس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کہ سورج کافی بلند نہیں ہوجاتا۔

صبح سویرے ایک عجیب نظارہ نظر آتا ہے۔ پتھر کے ایک بڑے سے میز پر دو تین راہب غلّہ کا ڈھیر لے کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایک ایک دانہ اٹھا کر دوسری جگہ ڈھیر لگاتے ہیں۔ پیچھے صرف کوڑا کرکٹ رہ جاتا ہے جو پھینک دیا جاتا ہے۔ یہ صاف شدہ گندم خانقاہ کی مشین میں راہب پیستے ہیں جو اسی احاطے کے اندر واقع ہے۔

اب سورج اتنا بلند ہو چکا ہوتا ہے کہ قریبی پہاڑ کی اوٹ سے نکل آیا ہوا ہے اور اس کی خوشگوار چمک سُہانی معلوم ہوتی ہے۔ اُس وقت ایک راہب آپ کو یہاں کے مقامات کی سیر کرانے کے لئے ہمراہ لے چلے گا۔ روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک قلعہ نما بستی ہے جس کے احاطہ کے اندر عمارتیں کسی خاص ترتیب سے نہیں بنیں بلکہ حسب ضرورت بناتے چلے گئے ہیں۔ ان میں باقاعدگی قطعاً نہیں ہے۔ اونچے نیچے مختلف وضع کے مکانات ہیں۔ اس کی دیواریں 561 عیسوی میں شہنشاہ روم قسطنطین اعظم نے بنوائی تھیں۔ بعد میں مختلف عیسائی حکمرانوں نے اس کی مرمت کرائی۔ نپولین نے جب مصر پر قبضہ کیا ہے تو اُس نے بھی یہاں کی عمارت کی مرمت کرائی تھی۔ اس عمارت میں جگہ جگہ بُرج بنے ہوئے ہیں۔ فصیل پر قدیم وضع

کی توپیں بھی دھری رکھی ہیں جو حفاظت تو نہیں کرسکتیں مگر کرسمس کے موقعہ پر یا کسی اَور خوشی کے موقعہ پر چلائی جاسکتی ہیں۔

اس خانقاہ میں آپ کو بلّیاں کثرت سے ملیں گی۔ یہ نہ صرف خوراک کے قیمتی ذخیرہ کو چوہوں سے بچاتی ہیں بلکہ خطرناک سانپوں سے بھی (جو یہاں کثرت سے پائے جاتے ہیں) بچاتی ہیں۔ بڑی بھوکی نگاہوں سے یہ مسافروں کو کھانا کھاتے دیکھتی رہتی ہیں۔ اگر ایک ذرہ بھی خوراک کا گرے تو یہ چٹ کر جاتی ہیں بچاریاں آخر کریں بھی کیا۔ حلقۂ زُہاد کی بلّیاں ہیں۔ انہوں نے دودھ، مچھلی، گوشت اور دیگر اعلیٰ قسم کی خوراک دیکھی ہی کب ہے۔

ایک جگہ چالیس فٹ بلند دیوار میں مضبوط چرخی لگی ہوئی ہے، عام طور پر خانقاہ کا دروازہ بند ہی رہتا ہے اور اسی چرخی کے ذریعہ چیزیں باہر سے اوپر لے جائی جاتی ہیں۔

یہاں کے خادم جو ''جبلیۃ'' کہلاتے ہیں دراصل اُن ایک سو رومن اور ایک سو مصری غلاموں کی اولاد ہیں جن کو شہنشاہ قسطنطین نے مع اہل و عیال لاکے یہاں آباد کیا تھا تاکہ ادنیٰ خدمات بجالایا کریں۔ اب یہ لوگ مسلمان ہو چکے ہیں اور انہی کی خاطر اِس خانقاہ کے اندر عین گرجا سے ملحق ایک چھوٹی سی مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ اِن لوگوں کو رات کے وقت اندر رہنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کی رہائش کے لئے باہر شیڈ بنے ہوئے ہیں جہاں یہ اپنے بال بچّوں سمیت رہتے ہیں۔ تمام بیرونی تجارتیں اور اقتصادی معاملات انہی کے ذریعے طے ہوتے ہیں۔ خانقاہ کے راہب ان کو روٹی روزانہ سپلائی کرتے ہیں۔ ہر مرد کو تین، بیوی کے لئے دو اور ہر بچّے کے لئے ایک روٹی کا راشن مقرر ہے۔ صدیوں سے اِسی طرح راہب ان کو کھانا دے رہے ہیں۔

احاطے کے اندر ایک بڑھئی کا کارخانہ بھی ہے۔ ایک آٹا پیسنے کی مشین ہے۔ ایک بیکری ہے۔ اِن راہبوں کا کھانا نہایت سادہ ہوتا ہے۔ عموماً لوبیا زیتون کے تیل میں پکا ہوا اور نان ملتے ہیں۔ یہ نان پشاوری نان کی طرح نہیں ہوتے بلکہ سخت لکڑی کی مانند ہوتے ہیں جن کو بھگو کر کھاتے ہیں۔ ہر نان پر خانقاہ کا نام درج ہوتا ہے۔ کھانا جہاں کھاتے ہیں وہاں پتھر کی سِلوں سے بنی ہوئی میزیں ہیں اور پتھر کے بنچ۔ کمرے میں جا بجا عیسائی اولیاء کی تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ کھانے کے دوران میں ایک راہب بلند آواز سے عیسائی اولیاء کی سوانح حیات پڑھ کر سُناتا ہے۔ بشپ صاحب جب چاہیں گھنٹی بجا کر اُسے روک سکتے ہیں۔ مرکزی گرجا پہلے تو سینٹ جان کے نام پر منسوب تھا جسے Church of Transfiguration یعنی کنسیۂ ظہور جلالی بھی کہتے ہیں۔ مگر بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے سینٹ کیتھرائن کر دیا گیا۔ کیتھرائن ایک نوجوان عیسائی دوشیزہ تھی جو سکندریہ میں عیسائیت قبول کرنے کے جرم میں قتل کر دی گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس نے آخری وقت میں دعا کی کہ اے خدا میری لاش کو طور کے اُوپر پہنچا دے۔ چنانچہ فرشتوں نے لاش کو وہاں پہنچا دیا۔ کافی عرصہ کے بعد راہبوں نے ہڈیاں پائیں اور اس جگہ انہیں دفن کر دیا گیا۔ اس کا سر اور جسم دو الگ الگ صندوقوں میں محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ گرجے میں عقیدتمندی کے مظاہر بے شمار ملتے ہیں۔ گرجا کافی تاریک ہے۔ اندر داخل ہو کر سوائے سونے چاندی کی چمک اور بلّور کی دمک کے کچھ نظر نہیں آتا۔ خیال آتا ہے اس لق ودق ویرانے میں جہاں میلوں تک آبادی وسبزہ کا کوئی نشان نہیں ہے یہ مختصر سا مقام کس قدر آباد اور پُر رونق ہے۔

جس قدر بھی سونے چاندی کے نذرانے کسی خانقاہ یا گرجے کے لئے پیش کئے گئے ہیں یہ یونانی گرجا اُن سب سے سبقت لے گیا ہے۔

گرجا کے بارہ ستون بازنطینی عہد کی یادگار ہیں۔ جو سال کے ہر ماہ کے ایک ایک شہید کے نام پر معنون کئے گئے ہیں۔ یہاں چھت پر جو نقوش ہیں وہ قسطنطنیہ کے سینٹ صوفیہ (مسجد ایا صوفیہ) کی طرز کے ہیں۔ دیوار پر بائبل کے مختلف مناظر کو تصویری زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک میں حضرت موسیٰ کو دس الواح دیئے جانے کا نظارہ ہے۔ ایک جگہ حضرت عیسیٰ جلوہ گر ہیں اور اس قبہ دار عمارت میں تو بلّوریں لمپ بھی لٹک رہے ہیں۔ اسی گرجا کے تہ خانے (Crypt) میں کیتھرائن کی ہڈیاں محفوظ ہیں۔

اب ہمارا ہمراہی راہب ہم کو ہدایت کرتا ہے کہ جُوتے اُتار دیئے جائیں کیونکہ اب ہم اُس جگہ کے عین سامنے کھڑے ہیں جہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جھاڑی میں آگ بھڑکتی دیکھی تھی۔ اس تنگ و تاریک محراب دار نصف دائرے سے ہر زائر کو ایک گہرا قلبی لگاؤ ہوتا ہے۔ اس مقام پر گرجا کا قدیم ترین حصہ بجنسہٖ موجود ہے۔ جھاڑی کے مقام پر چاندی کی ایک تختی لگی ہوئی ہے۔ اصل چار دیواری سنگ مرمر کی بے عیب سلوں سے پُھنی ہوئی ہے۔ 342 عیسوی میں ملکہ ہلینیا نے بصرفِ زرِ کثیر اسے بنوایا تھا۔ وہ خود یہاں آئی اور یہ گرجا تعمیر کرایا۔ اُس وقت اُس عورت کی عمر 80 سال تھی۔ مگر محبّت اور شوق کے سامنے اُس نے اپنے آرام کی پروانہ کی۔

اِس خانقاہ میں ایک قیمتی لائبریری بھی ہے۔ کتابیں پتھر سے بنے ہوئے ایک کمرے میں نہایت سلیقہ سے رکھی ہوئی ہیں۔ ہر کتاب کی پُشت پر یونانی اور عربی میں اُس کا نام درج ہے۔ موجودہ کتب یونانی، عربی، سریانی، فارسی اور حبشہ کی زبانوں میں ہیں۔

اِسی لائبریری میں بائبل کا ''نسخہ سنائی'' بھی ہوتا تھا جس کو ایک عیسائی عالم نقل کرنے کے لئے 1844ء میں روس لے گیا مگر اُس وقت کے زارِ روس نے اُس کو تبرک سمجھ کر خود رکھ لیا اور اُس کی عکسی نقل نہایت خوبصورت جلد کرا کے یہاں بھجوادی۔ یہی نسخہ موجودہ روسی حکومت نے 1933ء میں برٹش میوزیم لنڈن کے پاس پانچ لاکھ ڈالر کے عوض فروخت کر دیا۔ جہاں آجکل یہ نہایت حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔ اب تک اس قیمتی نسخہ کی جدائی کا صدمہ راہب محسوس کرتے ہیں۔ سیرین زبان میں اناجیل کے وہ نسخے بھی موجود ہیں جو چوتھی یا پانچویں صدی میں لکھے گئے تھے۔ ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ اگر کسی نے یہاں سے کچھ نقل کرنا ہو تو پانچ پاؤنڈ مصری فیس ادا کرے۔

آیئے ذرا باغ کی بھی سیر کریں۔ یہ تقریباً بارہ کنال کے احاطے میں پھیلا ہوا ہے سبزہ پورے جوبن پر ہے اور اپنی بہار دکھا رہا ہے۔ سرو کے درخت اس میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ناشپاتی، سیب، بادام اور زیتون وغیرہ کے درخت پائے جاتے ہیں۔ اور گلاب سمیت تمام قسم کے پھول بھی موجود ہیں۔ ان کی آب پاشی اکثر جبلیہ لوگ ہی کرتے ہیں۔

اسی باغ کے درمیان ایک سفید کمرہ ہے جس میں مرحوم راہبوں کی ہڈیاں جمع کی ہوئی ہیں۔ کمرہ فرش سے چھت تک بھرا ہوا ہے۔ اندر داخل ہوتے ہی ایک کرسی پر ایک نہایت پُرانا غبار آلود انسانی پنجر بیٹھا ہوا ہے۔ آپ دیکھ کر ڈر نہ جائیں یہ تو 581ء عیسوی میں فوت ہونے والا راہب سٹیفن ہے۔ اُس نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ مجھے اس خانقاہ کی دربانی عطا کی جائے۔ وہ اب تک مُردوں کی دربانی کر رہا ہے۔ بائیں طرف کو کھوپریاں جمع ہیں۔ دائیں طرف بازو پڑے ہیں۔ باقی جگہوں پر دیگر اعضاء رکھے ہیں قاعدہ یہ ہے کہ وفات کے کچھ عرصہ بعد ہڈیاں جمع کر لی جاتی ہیں اور یہاں ڈال دیتے ہیں۔ بشپ صاحبان کو صندوق میں رکھتے ہیں۔ ایسے بہت سے صندوق لیبل لگا کر ایک زمین دوز کمرے میں جمع کئے ہوئے ہیں۔ اس بارے میں ایک مجبوری بھی لاحق ہے وہ یہ کہ پتھریلی زمین میں قبر نکالنی مشکل ہے اردگرد کے پہاڑوں ہی پر لاشیں پڑی رہتی ہیں جب ہڈیاں رہ جاتی ہیں تو اُن کو جمع کر لیتے ہیں۔

کوہِ طُور پر جانے کے لئے پُرانے راہبوں نے بڑی محنت سے ساڑھے تین ہزار سیڑھیاں بنائی تھیں۔ بعض جگہ پر یہ چڑھائی خطرناک بھی ہے۔ نصف کے قریب راستہ طے کرنے کے بعد ایک میدان آتا ہے۔ یہاں سرو کا ایک درخت بھی ہے۔ قریب ہی ایک دروازہ بنا ہوا ہے جس میں سے گزرتے وقت عیسائی لوگ اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تاکہ پاک ہو جائیں۔ یہاں پر ایک چھوٹا سا حجرہ بھی بنا ہوا ہے جس میں سال میں ایک مرتبہ آ کر راہب عبادت کرتے ہیں۔ چوٹی پر سے اردگرد کا منظر نہایت عجیب ہوتا ہے چونکہ فضا نہایت صاف ہوتی ہے اس واسطے دُور دُور تک نگاہیں کام کر سکتی ہیں۔ مشرق میں خلیج عقبہ اور راس محمدؐ صاف نظر آتی ہے۔ شمالی جانب سلسلہ کوہ سنائی پھیلا ہوا ہے۔ نیچے کی طرف وادی سبائیہ میں اونٹوں کے راستے سفید دھاگوں کی مانند نظر آتے ہیں۔ یہاں پر ایک چھوٹا سا گرجا بھی بنا ہوا ہے اور پاس ہی ایک ننھی سی مسجد بھی موجود ہے جہاں اردگرد کے عرب مسلمان سال میں ایک دفعہ آ کر حضرت موسیٰؑ کی یاد میں قربانی ادا کرتے ہیں۔ اس گرجا میں ایک رجسٹر بھی رکھا ہوا ہے جس میں زائرین کو دستخط کرنے پڑتے ہیں اور وہ عرصہ بھی درج کرنا ہوتا ہے جو اُن کو اُوپر آنے میں لگا ہو۔ دو گھنٹے اوسط ٹائم صَرف ہوتا ہے۔

جونہی کوئی زائر چوٹی کے اُوپر پہنچتا ہے ہمراہی راہب اس گرجا گھر میں ایک موم بتی روشن کر دیتا ہے۔ اور جس وقت نیچے اُترنے لگتے ہیں اُسے بُجھا دیا جاتا ہے۔ اس گرجا میں ایک غار ہے جس میں ایک آدمی بخوبی سما سکتا ہے۔ کہتے ہیں کہ جس وقت خدا تعالیٰ نے تجلّی فرمائی تھی تو حضرت موسیٰؑ اس غار میں جا چھپے تھے۔

اب سورج غروب ہونے کو ہے۔ زائرین خاموشی سے نیچے اُترتے ہیں۔ رات خانقاہ میں بسر کر کے اُسی ان عجیب و غریب تاریخی مناظر کے روحانی تصوّرات میں کھوئے حسب ذیل شعر گنگناتے ہوئے واپس اپنے وطنوں کو لوٹ آتے ہیں ؎

عہدِ موسیٰ میں نہ تھا قابلِ جلوہ کوئی
ورنہ کیوں ایک پہاڑی پہ نمایاں ہوتا

بقیہ از صفحہ 3: فرمودات سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

اے میرے خدا! میں تیری تمام صفات کا واسطہ دے کر تجھ سے عرض کرتا ہوں کہ ان کی خیر سے ہمیں متمتع فرما۔

اے ہمارے پیارے خدا! ہم نہایت دردِ دل کے ساتھ اور سچی تڑپ کے ساتھ تیرے حضور جھکتے ہوئے یہ عرض کرتے ہیں کہ ہماری دعاؤں کو رحم فرماتے ہوئے اپنے وعدے کے مطابق کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ہماری دعاؤں کو سن۔ ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان جو تیری عبادت سے بیزار ہیں، بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ پیدا کر دے۔ ہمیں اپنے خالص عبدِ رحمان بنا دے۔ ہمارے سینے اپنی محبت میں سرشار کر دے۔ ہمارے اعمال و اقوال عمدہ اور صاف کر دے۔ جو تیرے چہرے اور تیرے حکم پر قربان ہونے والے ہوں۔ ہم تیرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے والے بن جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیرے حکم کے مطابق درود بھیجنے والے بن جائیں۔ میرے مسیح موعود کو جن کو تُو نے اس زمانے میں اپنے وعدے کے مطابق بھیجا ہے، آپ کے ساتھ کامل اطاعت کا نمونہ دکھانے والے بن جائیں۔ آپ کو حکم اور عدل مانتے ہوئے آپ کے ہر حکم پر لبیک کہنے والے ہوں۔

اے خدا! ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ ہمارے سینے اپنی محبت اور اپنے پیاروں کی محبت سے بھر دے۔ ہماری کمزوریوں کو دور فرما۔ شیطان کے تسلط سے ہمیں ہمیشہ بچا۔ ہم وہ قوم بن جائیں جو تیرے پیار کو ہمیشہ جذب کرنے والے ہیں۔ ہمیں تمام ابتلاؤں اور دکھوں سے بچا۔ اور تمام مصیبتوں سے ہمیں محفوظ رکھ۔ اے ہمارے خدا! یہ ہماری عاجزانہ دعا ہے کہ دنیا کے سینے احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے قبول کرنے کے لئے کھول دے۔ اور تمام مسلمانوں کو امتِ واحد بنا دے۔ تمام فتنے اور فساد جنہوں نے مسلمانوں کو گھیرا ہوا ہے ان سے مسلمانوں کو نکال۔ ان کی آنکھیں کھول تا وہ تیرے مسیح موعود اور مہدی موعود کو پہچان لیں۔ اے اللہ! دنیا کو عقل دے کہ وہ زمانے کے امام کو پہچان کر آگ کے گڑھے میں گرنے سے بچ جائیں۔ آمین یا رب العالمین۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی مالی قربانی

حضرت مولانا نور الدین صاحبؓ نے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں لکھا: ''میں آپ کی راہ میں قربان ہوں۔ میرا جو کچھ ہے میرا نہیں آپ کا ہے۔ حضرت پیر و مرشد میں کمال راستی سے عرض کرتا ہوں کہ میرا سارا مال و دولت اگر دینی اشاعت میں خرچ ہو جائے تو میں مراد کو پہنچ گیا''۔

حضرت مسیح موعودؑ ایک جگہ حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کے متعلق فرماتے ہیں: ''کثرت مال کے ساتھ کچھ قدر قلیل خدا کی راہ میں دیتے ہوئے تو بہتوں کو دیکھا مگر خود بھوکے پیاسے رہ کر اپنا عزیز مال رضائے مولیٰ میں اٹھا دینا اور اپنے لئے دنیا میں سے کچھ نہ بنانا یہ صفت کامل طور پر مولوی صاحب موصوف میں دیکھی ......جس قدر ان کے مال سے مجھ کو مدد پہنچی ہے اس کی نظیر اب تک کوئی میرے پاس نہیں''۔

أَسماءُ القرآن

(قسط سوم۔ آخر)

(قمر داؤد کھوکھر)

(37) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'علم' ہے جیسے فرمایا: وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ؛ اگر تو نے اس علم کے بعد جو تجھے حاصل ہو چکا ہے ان کفار کی خواہشات کی پیروی کی۔(الرعد:38)

قرآن کو علم اس لئے کہا گیا ہے کہ قرآن علم کا سبب ہے اور مسبب بول کر مجازاً سبب مراد لینا عام مشہور قاعدہ ہے۔

(38) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'عَلِيٌّ' ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ؛ اور وہ (قرآن) اُمّ الکتاب میں ہے جو بڑی شان والا اور بڑی حکمتوں والا ہے۔(الزخرف:5)

قرآن کریم کے 'عَلِيٌّ' نام کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب بلند و بالا رتبہ والی اور بڑی عظیم الشان کتاب ہے۔

(39) قرآن کا صفاتی نام 'القصص' بھی ہے جیسے فرمایا: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ؛ ہم تیرے پاس ہر امر کو بہترین طور پر بیان کرتے ہیں۔(یوسف:4)

(40) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'القول' ہے جیسے فرمایا: وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ ؛ اور ہم ان کے لئے پے در پے وحی اتارتے رہے۔(القصص:52)

قرآن کریم کا نام 'القول' رکھنے سے مراد اللہ کا علم اور حکم ہے۔

(41) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'القولُ الثابت' ہے جیسے فرمایا: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ؛ جو لوگ ایمان لائے ہیں انہیں اللہ اس قائم رہنے والی بات کے ذریعہ ثبات بخشتا ہے۔(ابراہیم:28)

(42) قرآن کا ایک صفاتی نام 'قولِ ثقیل' ہے جیسے فرمایا: اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ؛ ہم تجھ پر ایسا کلام نازل کرنے والے ہیں جو بڑا بوجھل ہے۔(المزمل:6)

قرآن کا نام ثقیل اس لئے ہے کہ اس میں امر اور نہی اور حدود ہیں جن کو قبول کرنا ثقیل ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وعدہ اور وعید کی وجہ سے یہ ثقیل ہے۔ ان معنوں میں بھی ثقیل ہے کہ یہ غور کرنے والوں کے لئے ثقیل ہے۔ علامہ احمد الصاوی لکھتے ہیں کہ: ''قَوْلًا ثَقِيْلًا کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم اپنے اندر بہت سے فوائد اور معانی رکھتا ہے کہ کوئی عقل بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتی وہ بحر محیط کی مانند ہے۔'' (حاشیہ تفسیر جلالین، جزء4 صفحہ219)

(43) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'قولٌ فصلٌ' ہے جیسے فرمایا: اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ؛ یہ قرآن قطعی اور آخری بات ہے۔(الطارق:14)

فصل کے معنی دو چیزوں میں سے ایک کو دوسری سے اس طرح علیحدہ کرنا کہ ان کے درمیان فاصلہ ہو جائے یعنی قرآن فیصلہ کرنے والا ہے جو حق کو باطل سے الگ کردے گا۔ قرآن کریم کا نام فصل رکھنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ حق و باطل میں ایک فیصلہ ہے۔ قول فصل نام اس لئے بھی ہے کہ قرآن ہر ایک بات کو دلیل سے بیان کرتا ہے کیونکہ دلیل کے سچے ہونے سے یہ کلام سچا ثابت ہوتا ہے۔ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے قول فصل کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ: ''علم معاد میں جس قدر تنازعات تھیں سب کا فیصلہ یہ کتاب کرتی ہے۔''..... ''قرآن قول فصل ہے جو ہر ایک امر میں سچا فیصلہ دیتا ہے۔'' (تفسیر مسیح موعود، جلد4 صفحہ 594-593)

(44) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'قَيِّم' ہے جیسے فرمایا: قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا ؛ سچ سے معمور، صحیح رہنمائی کرنے والی ہے تاکہ وہ اللہ کی طرف سے ایک سخت عذاب سے آگاہ کرے۔(الکہف:3)

قرآن کریم قیم تین معنوں میں ہے:

اول: بمعنی مستقیم یعنی قرآن میں نہ افراط ہے نہ تفریط اور یہی اس کا کمال ہے۔

دوم: قرآن دینی و دنیاوی مصلحتوں کی صحیح رہنمائی اور رہبری کرتا ہے۔ یعنی یہ مکمل ترین کتاب ہے جس میں انسانوں کا ضابطہ حیات کامل طور پر بیان فرما دیا گیا ہے۔ اپنے دینی امور کی رہنمائی چاہیں تو وہ بھی اس سے مل سکتی ہے، دنیوی امور کی رہبری چاہیں تو وہ بھی اس سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور اخروی معاملات کی ہدایت بھی اس سے نصیب ہو سکتی ہے۔

سوم: قیم کا لفظ عربی میں قائم سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی یہ قرآن ہمیشہ قائم رہے گا اپنے ظاہری الفاظ و معنی کے لحاظ سے، اپنی تعلیم کے لحاظ سے، اپنے معجز نما کلام ہونے کے لحاظ سے اور اپنی تاثیرات کے لحاظ سے۔

قرآن کے نام قیم میں یہ اشارہ ہے کہ قرآن تمام کتب سماویہ کے مطالب پر حاوی ہے کیونکہ قرآن تمام کتب کا ثمرہ اور نچوڑ ہے۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ یہ ضخامت اور حجم میں مختصر ہے لیکن معنوی عظمت اور مضامین کی وسعت کے لحاظ سے اتھاہ سمندر ہے کہ انسانی عقل و فراست ان کے ادراک سے عاجز ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ: ''اس میں وہ تمام صداقتیں موجود ہیں جو پہلی کتابوں میں متفرق اور پراگندہ طور پر موجود تھیں'' (ازالہ اوہام، روحانی خزائن، جلد3 صفحہ 454)

ایک دوسرے مقام پر قرآن کریم کے قیم ہونے سے متعلق حضورؑ فرماتے ہیں کہ: ''یہ کیسی مبارک کتاب ہے کہ اس میں سب سامان اعلیٰ درجہ تک پہنچنے کے موجود ہیں۔'' (ملفوظات، جلد اول، صفحہ:39)

حضورؑ مزید فرماتے ہیں کہ: ''تمام خوبیاں اور کمالات جو متفرق کتابوں میں تھے وہ قرآن شریف میں جمع کر دیے۔'' (ملفوظات، جلد اول، صفحہ:340)

(45) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'کریم' ہے جیسے فرمایا: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ؛ یقیناً یہ قرآن بڑی عظمت والا ہے۔(الواقعہ:78)

قرآن کا نام کریم رکھ کر بتایا ہے کہ قرآن 'کرم' کے ساتھ متصف ہے یعنی بڑے رتبہ والا اور بڑی عظمت والا قرآن ہے۔ یہ قرآن عزت والا ہے، کثیر النفع ہے کیونکہ یہ ان اصولی علوم پر مشتمل ہے جن کا مقصد صلاح المعاش و معاد یعنی آخرت ہے۔ کریم کے ایک معنی کثیر المنافع کے کیے جاتے ہیں۔ قرآن کو جب کریم فرمایا گیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ قرآن تمام انسانوں کے لئے بہت ہی منافع بخش اور نفع مند ہے۔ یہ معنی بھی ہیں کہ قرآن وہ کتاب ہے جس کے معنی اور فوائد محبوب ہوں اور دوسری کتب کے مقابلہ میں یہ قرآن پسندیدہ کتاب ہے کیونکہ یہ

مکارم اخلاق، بلند امور اور برگزیدہ اعمال و افعال پر دلالت کرتا ہے۔ کریم اس لئے بھی ہے کہ کریم رسول ﷺ پر نازل ہوا ہے۔

(46) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'کلام' ہے جیسے فرمایا: حَتّٰی یَسْمَعَ کَلَامَ اللّٰہِ؛ یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ (التوبہ:6)

کلام 'کلم' سے ماخوذ ہے جس کے معنی اثر ڈالنا ہیں۔ اس لئے قرآن اپنے سننے والے کے ذہن میں ایک ایسے فائدہ کو موثر بناتا ہے جو اسے پہلے حاصل نہ تھا۔

(47) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'کلمۃ' ہے جیسے فرمایا: وَ تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّ عَدْلاً؛ اور تیرے ربّ کی بات سچائی اور انصاف کے لحاظ سے اتمام کو پہنچی۔ (الانعام:116)

قرآن کو کلمہ اس لئے فرمایا گیا کہ اس سے ہی کسی حکم کے آثار نمودار ہوتے ہیں اور اس سے ہی مسائل کا استنباط ہوتا ہے۔

(48) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'مبارک' ہے جیسے فرمایا: کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ ؛ جو کتاب ہم نے تیری طرف اتاری ہے مبارک ہے (ص:30)

اسی طرح فرمایا: وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ؛ یہ کتاب جسے ہم نے اتارا ہے برکت والی ہے۔ (الانعام:156)

قرآن فی نفسہٖ مبارک ہے جیسا کہ فرمایا: وَ ھٰذَا ذِکْرٌ مُّبٰرَکٌ اَنْزَلْنٰہُ؛ اور یہ بابرکت ذکر ہے جو ہم نے اتارا ہے۔ (سورۃ الانبیاء:51) یعنی یہ قرآن کثیر الخیر والنفع ہے کہ اس سے دنیاوی اور اخروی برکتیں حاصل کی جاتی ہیں۔

قرآن کریم کو مبارک نام دے کر ان نیکیوں، خیرات اور بھلائیوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو اس میں موجود ہیں۔ قرآن کریم کو مبارک اس لئے بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں اس سے پہلے کی تمام دینی و روحانی صداقتوں اور اعلیٰ درجہ کی تعلیمات کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اور یہ معنی بھی ہیں کہ اس میں تمام آسمانی کتب کی خوبیاں بہہ کر ایک جگہ جمع ہو گئی ہیں۔ مبارک کے یہ معنی بھی ہیں کہ اس میں ہر طرح کی برکتیں، معارف اور انسانوں کو فائدہ پہنچانے والے امور بھرے ہوئے ہیں۔

قرآن مبارک ان معنوں میں بھی ہے کہ وہ اپنے مولیٰ و ربّ سے ملنے کی دعوت دیتا ہے اور خواص کو رب تعالیٰ کے وصال کی طرف رہبری کرتا ہے اور خواص الخواص کو ربّ تعالیٰ سے ملاتا ہے۔ اور ان میں اخلاق فاضلہ پیدا کرتا ہے۔

(49) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'المبین' ہے جیسے فرمایا: تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ؛ یہ حقائق کو روشن کرنے والی کتاب ہے۔ (یوسف:2)

قرآن کریم کا نام 'المبین' رکھ کر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتا ہے۔ اپنے حقائق اور معارف کے لحاظ سے ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔

ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اگر قرآن کی طرف رجوع ہو گا تو یہ کتاب مشورہ اور رہنمائی دے گی۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قرآن 'المبین' اس لئے ہے کہ حق و باطل میں فرق اور تمیز کر دیتا ہے اور 'المبین' نام اس لئے بھی رکھا گیا ہے کہ اس نے حق کو باطل سے ممتاز کر دیا ہے۔

(50) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'متشابہ' ہے جیسے فرمایا: اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰباً مُّتَشَابِھاً مَّثَانِیَ ؛ اللہ وہ ہے جس نے بہتر سے بہتر بات اتاری ہے جو متشابہ ہے اور اس کے مضامین نہایت اعلیٰ ہیں۔ (الزمر:24)

متشابہ نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ قرآن کا ہر ایک حصہ دوسرے حصہ کے ساتھ خوبی اور صداقت میں مشابہت رکھتا ہے۔ اس کی آیات اور اس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہے۔ احکام حکمت اور استقامتِ نظم کے لحاظ سے بھی اس کی آیات ایک جیسی ہیں۔ متشابہ نام کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کی بعض آیتیں دوسری آیات کی تصدیق کرتی ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''اس کی تعلیمات نہایت درجہ کے اعتدال پر واقع ہیں جو انسانیت کے سارے درخت کی آبپاشی کرتی ہیں نہ کسی ایک شاخ کی۔ اور تمام قویٰ کی مربی ہیں نہ کسی ایک قوت کی۔ اور درحقیقت اسی اعتدال اور موزونیت کی طرف اشارہ ہے: کِتٰباً مُّتَشَابِھاً۔'' (تفسیر مسیح موعودؑ، جلد4: صفحہ32)

(51) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'اَلْمَثَانِیْ' ہے جیسے فرمایا: اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشٰبِھًا مَّثَانِیَ؛ اللہ وہ ہے جس نے بہتر سے بہتر بات اتاری ہے جو متشابہ ہے اور اس کے مضامین نہایت اعلیٰ ہیں۔ (الزمر:24)

مثانی نام کی وجہ یہ ہے کہ اس میں گزشتہ قوموں کے قصوں کا بیان ہوا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن اپنے سے قبل گزر جانے والی باتوں کا ثانی (ثنیٰ) ہے۔ مثانی کے معنی دہرایا جانے والا کے بھی ہیں اس لحاظ سے قرآن مکرر پڑھی جانے والی آیات پر مشتمل ہے۔ اور ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ اس میں قصوں اور مواعظ کی تکرار ہوئی ہے۔ قرآن کریم کی تمام سورتوں کو بھی مثانی کہا گیا ہے کیونکہ ان میں واقعات تکرار کے ساتھ مذکور ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن دو مرتبہ نازل ہوا ہے، ایک بار معنی کے ساتھ اور دوسری دفعہ لفظ کے ساتھ۔ معنی کا ثبوت آیت قرآنی اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی (الاعلیٰ:19) سے ملتا ہے۔

قرآن کریم کا نام مثانی رکھ کر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کا اعادہ ہوتا رہتا ہے نہ اس میں کوئی تغیر آئے گا اور نہ ہی یہ زوال پذیر ہوگا۔ مثانی کا ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ بار بار قرآن کریم کے اعادہ سے اس کے عجائب و غرائب منقطع نہیں ہوتے بلکہ ہر بار نئے حقائق سامنے آتے ہیں۔ اگر مثانی کا لفظ ثناء سے ہو تو قرآن کریم کے مثانی ہونے کا مطلب ہوگا کہ قرآن کریم سے ہمیشہ ایسے مضامین ظاہر ہوتے رہیں گے جو خود قرآن کی، اس کے پڑھنے والوں کی، اس کا علم حاصل کرنے والوں کی اور اس پر عمل کرنے والوں کی تعریف کا موجب ہوں گے۔ مثانی کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اس قرآن کے مضامین بہت اعلیٰ ہیں۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مثانی کے لفظ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ: ''ہر ذکر اور وعظ اس میں دہرا دہرا کر بیان کیا گیا ہے۔ جس سے غرض یہ ہے کہ ایک مقام کا ذکر دوسرے مقام کے ذکر کی تفسیر ہو جائے''۔ نیز فرمایا کہ: ''مثانی کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات معقولی اور روحانی دونوں طور کی روشنی اپنے اندر رکھتی ہیں۔'' (تفسیر مسیح موعودؑ، جلد4: صفحہ31-32)

(52) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'مجید' ہے جیسے فرمایا: بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ؛ بلکہ یہ قرآن تو ایک بزرگ کلام ہے۔ (البروج:22)

مجید نام رکھے جانے کا سبب اس کا شرف ہے یعنی قرآن شرف اور بزرگی میں وسعت رکھنے والا ہے۔ اور تمام دنیوی اور اخروی مکارم پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جلیل القدر کتاب ہے۔

(53) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام ہے: مَرْفُوْعَةٍ؛ بلند شان والے۔ (العبس:15)

(54) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'کتاب مسطور' ہے جیسے فرمایا: وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ؛ اور اس لکھی ہوئی کتاب کو بھی شہادت کے طور پر پیش کرتا ہوں (الطور:3)

(55) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'مصدّق' ہے جیسے فرمایا: نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا ؛ تیری طرف حق کے ساتھ ایسی کتاب اتاری گئی ہے جو تصدیق کرنے والی ہے۔ (آل عمران:4) ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ اور یہ قرآن ایک عظیم کتاب ہے جسے ہم نے اتارا ہے۔ اور وہ برکات کی جامع ہے۔ اور جو کلام اس سے پہلے تھا اس کو پورا کرنے والی ہے۔ (الانعام:93)

قرآن کا مصدّق نام اس لئے ہے کہ یہ اپنے سے پہلے کے ہر نبی کی کتاب کا مصدّق ہے۔ یعنی قرآن بتاتا ہے کہ ابتدائی حالت میں وہ تمام کتب اللہ کی طرف سے نازل ہوئیں اور جن پر وہ کتب نازل ہوئیں وہ اللہ تعالیٰ کے راستباز بندے اور اس کے رسول تھے۔ قرآن مصدّق ان معنوں میں بھی ہے کہ اپنے سے پہلے کی کتب کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا ہے یعنی ان کی بعض پیشگوئیوں کو اپنی ذات میں پورا کرکے انہیں سچا ثابت کرتا ہے۔ قرآن ان معنوں میں بھی مصدّق ہے کہ یہ اپنے سے پہلے کی کتب کے بعض دینی مسائل (عقائد وایمانیات) کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ ان کے اندر جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کی تصدیق کرنے والا ہے۔ کیونکہ گزشتہ الہامی کتب اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں اور یہ سب کتب محرّف اور مبدّل ہو چکی ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: اہل کتاب (یہودی) تورات کو خود عبرانی میں پڑھتے ہیں لیکن مسلمانوں کے لئے اس کی تفسیر عربی میں کرتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب، بلکہ یہ کہا کرو کہ: قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا۔ (صحیح بخاری، باب 569 قولہ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا باللّٰہ، حدیث 1600)

حضرت مسیح موعودؑ نے یہ معنی بھی بیان فرمائے ہیں کہ: "تمہارے ایمان کا مصدّق یا مکذّب قیامت کے دن قرآن ہے۔" (کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 27)

(56) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام ہے: مُطَهَّرَةٍ؛ پاک۔ (العبس:15)

(57) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'مفصّل' ہے جیسے فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؛ اور وہی ہے جس نے تم پر ایک کھلی کھلی کتاب اتاری ہے۔ (الانعام:115)

یعنی یہ مطالب کو واضح کرنے والی کتاب ہے۔ اور مفصّل ان معنوں میں ہے کہ اس میں حق وباطل اور حلال وحرام اور دیگر جملہ احکام کو مفصّل طور پر بیان کیا گیا ہے کہ دینی امور میں کوئی شک وشبہ اور ابہام نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں کہ: "خدا نے قرآن کا نام رکھا ہے مفصلاً۔ اس پر ایمان ہونا چاہیے۔ بعض تفاسیر سوائے انبیاء کے اَور کی سمجھ میں نہیں آتیں۔" (تفسیر مسیح موعودؑ، جلد 2 صفحہ 495)

(58) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'مکرم' ہے جیسے فرمایا: فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ؛ یہ قرآن عزت والے صحیفوں میں ہے۔ (العبس:14)

سورۃ العبس میں مذکور مذکورہ بالا چاروں صفات بلحاظ شرف ومنزلت کے ہیں۔

(59) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'موعظہ' ہے جیسے فرمایا: قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؛ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے یقیناً ایک ایسی کتاب آگئی ہے جو سراسر نصیحت ہے۔ (یونس:58)

وعظ کے معنی ہیں خیر کا اس طرح تذکرہ کرنا جس سے دل میں رقّت پیدا ہو۔ موعظہ اس نصیحت کو کہا جاتا ہے جس میں عبرت کا پہلو ہو۔ اسی طرح موعظہ اس کلام کو بھی کہتے ہیں جو نہایت اخلاص پر مبنی ہو اور نیک باتوں کی ترغیب دے اور بری باتوں سے ڈرائے۔ قرآن ان تمام پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

قرآن موعظہ ان معنوں میں بھی ہے کہ اس میں دلوں کو روشن کرنے کے لئے ایک روحانی خاصیت ہے۔ اس میں ایسی نصیحت ہے جس میں زجر و ترہیب بھی ہے اور نرمی و ترغیب بھی، جس میں انسانوں کے منافع اور نقصانات کے امور واضح ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قرآن عوام کے لئے موعظہ ہے، خواص کے لئے شفاء ہے، اخص کے لئے ہدیٰ اور تمام عوام وخواص کے لئے رحمت ہے اس لئے کہ ہر ایک اس کے ذریعہ اپنے اپنے مراتب ومقامات روحانیہ تک پہنچتے ہیں۔

(60) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'مُهَيْمِنٌ' ہے جیسے فرمایا: مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ؛ یہ قرآن اپنے سے پہلی کتاب کی باتوں کو پورا کرنے والا ہے اور اس پر محافظ ہے۔ (المائدہ:49)

مُهَيْمِن نام کے معنی امین کے ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن اپنے سے پہلے کی ہر کتاب الٰہی کا امین ہے۔ اس نام کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کریم تمام سابقہ قوموں اور کتابوں پر شاہد اور نگران ہے۔ قرآن اس لئے بھی مُهَيْمِن ہے کہ تمام نازل شدہ کتب جو تغیر سے محفوظ تھیں ان کا محافظ اور ان کے صدق وصحت اور اثبات کی گواہی دیتا ہے۔ اور ان کے اصول شرائع ثابت کرتا ہے۔ اور ان سے جتنے بھی احکام منسوخ ہو چکے ہیں ان کی تعیین کرتا اور بتاتا ہے کہ ان کے احکام ایک مخصوص وقت اور زمانہ کے لئے تھے اب ان کی مدّت ختم ہو چکی ہے اور وہ اب نزول قرآن کے بعد قابل عمل نہیں رہے۔ قرآن ان معنوں میں بھی مُهَيْمِن ہے کہ احکام منسوخہ اور غیر منسوخہ میں امتیاز کرنے والا ہے۔

(61) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'میزان' ہے جیسے فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ؛ اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ اس کتاب کو اتارا ہے اور میزان کو بھی۔ (الشوریٰ:18)

میزان سے یہ مراد ہے کہ قرآن حق اور باطل کے پرکھنے کے لئے ایک میزان ہے۔ یہ بھی مراد ہے کہ قرآن تمام معاملات میں عدل وانصاف کی تعلیم دیتا ہے۔

لغوی اعتبار سے وزن یا معین مقدار کو بھی میزان کہا جاتا ہے اس لحاظ سے میزان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو اعتدال اور تناسب کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ ایک معنی یہ بھی ہیں کہ قرآن قیامت کے دن میزان ہوگا۔

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اس نام میزان کے حوالہ سے یہ تحریر فرمایا ہے کہ: "ایسی کتاب نازل کی جو اپنی ذات میں حق ہے اور حق کے وزن کرنے کے لئے ایک ترازو ہے۔" (ازالہ اوہام، روحانی خزائن، جلد 3 صفحہ 454)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تحریر فرمایا ہے کہ: "قرآن کریم کا ایک نام میزان رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں جو بات کہی جاتی ہے دلیل کے ساتھ کہی جاتی ہے اور دلیل سب انسانوں کے درمیان قدر مشترک ہے۔ اور جب تک کوئی اسے جھوٹا نہ

ثابت کردے اسے رڈ نہیں کیا جاسکتا۔پس قرآن کریم چونکہ ہر بات بادلیل کہتا ہے اس لئے وہ میزان ہے۔یعنی جو بات اس کے ترازو میں پوری اترے وہی سچی ہے باقی سب باتیں غلط ہیں کیونکہ وہ عقل کے ترازو میں پوری نہیں اترتیں۔''

(تفسیرصغیر،زیرآیت الشوریٰ:18فٹ نوٹ)

(62) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام ' نَبَاٌ عَظِيْمٌ ' ہے جیسا کہ فرمایا: عَمَّ يَتَسَاءَ لُوْنَ عَنِ النَّبَأِ الْعَظِيْمِ ؛ یہ لوگ کس چیز کے بارہ میں ایک دوسرے سے سوال کررہے ہیں کیا اس عظیم الشان خبر کے بارہ میں۔(النبأ:2-3)

قرآن کے النَّبَأُ الْعَظِيْمُ ہونے سے مراد نہایت مفید اور علم سے پُر کتاب ہے۔ کیونکہ نبأ اس خبر کو کہتے ہیں جس سے بہت بڑا فائدہ ہو یا ایسی خبر جو کذب سے خالی ہو۔خبر کے لئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے یعنی اطلاع، فائدہ اور علم۔قرآن کریم سے یہ تینوں امور ظاہر ہوتے ہیں یعنی غیب کی خبریں،فوائد کثیرہ اور علم حقیقی۔

(63) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'نذیر' ہے جیسے فرمایا: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؛ (یہ کتاب) قرآن ہے ایسی زبان میں ہے جو اپنا مطلب آپ کھول کھول کر بیان کرتی ہے مگر یہ انہی کو فائدہ دیتی ہے جو علم رکھتے ہیں،خوشخبری دینے والی اور ہوشیار کرنے والی ہے۔(حٰم السجدہ:4-5)(الفرقان:2)

(64) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام ' نُور ' ہے جیسے فرمایا: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا؛ اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا ہے۔(النساء:175)

نور نام اس لئے رکھا گیا کہ اس قرآن کے ذریعہ احکام شرعیہ واضح اور منکشف ہوتے ہیں اور حلال وحرام کے اسرار (حکمتیں) معلوم ہوتے ہیں۔

نور نام اس لئے بھی ہے کہ اس نور سے دل جلاء پاتے ہیں اور انہیں ہدایت و روشنی حاصل ہوتی ہے۔جیسا کہ فرمایا: وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا؛ لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا ہے اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہم ہدایت دے دیتے ہیں۔(الشوریٰ:53)

یعنی یہ قرآن انسان کو بشری وجود کی تاریکیوں سے نکال کر روحانی وجود کی نورانیت کے مقام تک پہنچاتا ہے اور بندہ جناب الٰہی تک پہنچ جاتا ہے اور بالآخر واصل باللہ ہو جاتا ہے۔قرآن کریم کا نام نور اس لئے بھی ہے کہ یہ اعلیٰ درجہ کے معقولی دلائل اپنے ساتھ رکھتا ہے اور ظلمات سے نور کی طرف نکالتا ہے۔اور ایک ایسا چمکتا ہوا نور ہے جس کے سامنے کوئی ظلمت ٹھہر نہیں سکتی۔اسے اس لئے بھی نور کہا گیا ہے کہ یہ دلوں میں نور ایمان کے وقوع کا سبب ہے۔

(65) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'وحی' ہے جیسے فرمایا: اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ؛ میں تو تم کو وحی کے ذریعہ ہوشیار کر رہا ہوں۔(الانبیاء:46)

وحی کے اصل معنی ایسے اشارہ کے ہوتے ہیں جو جلدی سے کیا جائے کہ دوسروں کو اس کا علم نہ ہو سکے۔کلام الٰہی کو وحی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا نزول بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ ہوتا ہے۔

(66) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'ھادی' ہے جیسے فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ؛ یقیناً یہ قرآن رہنمائی کرتا ہے۔(بنی اسرائیل:10)

قرآن رشد وہدایت کا مرکز ہے۔تصفیہ قلب،تزکیہ نفس،اور توجہ الیٰ اللہ اس کا اصل موضوع ہیں۔سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے اس آیت کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ:''یہ قرآن اس راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے جو نہایت سیدھی ہے۔''

(ازالہ اوہام،روحانی خزائن جلد3صفحہ454)

(67) قرآن کریم کا ایک صفاتی نام 'ھدیٰ' ہے جیسے فرمایا: هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ؛ یہ ہدایت ہے متقیوں کے لئے (البقرۃ:3) هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ؛ محسنوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا موجب ہے۔(لقمان:4)(الجاثیۃ:21)

قرآن مجید کا نام ھدیٰ (یعنی ہدایت) رکھنے کی وجہ اس کا حق پر دلالت کرنا ہے۔اور یہ وجہ بھی ہے کہ قرآن انسان کو اس کے درجہ ہدایت کے کمال تک پہنچاتا ہے یعنی جن کی فطرت اس ہدایت کے مناسب حال ہوتی ہے وہ اس سے ہدایت پاجاتے ہیں اور ایسی اندرونی روشنی پیدا کرتا ہے کہ کوئی دینی پہلو معمہ نہیں رہتا۔

قرآن کریم ھدیٰ تین معنوں میں ہے:

اول: ہدایت عام ہے،یعنی تمام انسانوں کو حصول منافع اور ترک نقصانات کی ہدایت کرتا ہے۔دوم: ہدایت خاص ہے،یعنی مومنوں کو جنت کی راہ دکھاتا ہے۔ سوم: ہدایت اخص ہے،یعنی اللہ کی ذات کی طرف رہبری کرتا ہے۔

اس تعلق میں حضرت مسیح موعودؑ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ:''قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔''(کشتی نوح،روحانی خزائن،جلد19صفحہ27)

ایک دوسرے مقام پر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:''ہر ایک کو حسب استعداد معراج ترقی پر پہنچاتا ہے۔''(ازالہ اوہام،حصہ دوم،روحانی خزائن جلد3صفحہ382)



مراجع ومصادر

اس مضمون کی تیاری میں حسب ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے:

1۔''البرھان فی علوم القرآن'' ازعلامہ بدرالدین ابوعبداللہ محمد بن بہادر بن عبداللہ الزرکشی(745-794ہجری)

2۔''الاتقان فی علوم القرآن'' ازامام جلال الدین سیوطیؒ(849-911ہجری)

3۔''اَلْمُفْرَدَاتُ فِی غَرِیْبِ الْقُرْآن'' ازامام راغبؒ الاصفہانی

4۔''علوم القرآن'' ازمفتی محمد تقی عثمانی

5۔تفسیر روح البیان ازحضرت علامہ محمد اسمٰعیل حقی البروسویؒ

6۔تفسیر بیان فرمودہ حضرت مسیح موعودعلیہ السلام

7۔تفسیر صغیروتفسیر کبیر ازحضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ

8۔اردو ترجمہ قرآن کریم ازحضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ

9۔''المعجم المفھرس للالفاظ القرآن کریم'' ازمحمد فؤاد عبدالباقی

10۔صحیح بخاری

11۔مشکوٰۃ المصابیح

12۔مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ المصابیح

13۔''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد'' ازعلامہ ابن قیم الجوزیؒ

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''حدیث شریف میں ذکر ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ایک خادمہ مانگی۔آپ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد 33مرتبہ سبحان اللہ،الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھ لیا کرو اور سوتی دفعہ بھی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ ضرورت محسوس نہ ہوئی۔''

(الحکم30ستمبر1903ء)

نوبل انعام یافتہ رابندر ناتھ ٹیگور کے ادب پر اسلام کا اثر

(تیسری قسط)

مفیض الرحمٰن (بوسنیا) ۔ شیخ فضل عمر (انگلینڈ)

اسلامی تعلیم سے مطابقت رکھنے والے ٹیگور کے چند افکار

ذیل میں انبیاءعلیہم السلام کی بعثت، مقصد، استقامت و وفا، اُن کے اقوال میں حکمت اور دیگر پہلوؤں پر ٹیگور کے خیالات پیش ہیں تا کہ قارئین معلوم کرسکیں کہ اُس کا فکر وخیال کس حد تک اسلامی تعلیم سے متأثر ہے۔

☆ ہر زمانہ میں انبیاء کی بعثت کا مقصد ایک ہی ہے۔ ٹیگور اس بارہ میں کہتا ہے:

''الٰہی! تُو ہر زمانے میں اس بے رحم دنیا میں رسول مبعوث فرماتا رہا ہے۔ ان کا پیغام یہی تھا کہ ہر ایک سے عفو کا سلوک کرو، ہر ایک سے محبت کرو، اور دل سے نفرت کے زہر کو نکال دو!۔

اُن کی ذات قابل احترام اور یاد رکھنے والی ہے۔ مگر افسوس کہ آج کے اِس پُرآشوب زمانہ میں دروازے سے ہی جھوٹی عقیدت کے ساتھ انہیں ردّ کررہا ہوں۔

مَیں نے مظلوم کو تاریک راتوں میں مخفی ظلم کا نشانہ بنتے دیکھا ہے۔ مَیں نے باغیانہ جرم اور تشدد کے خلاف عدل کی آواز کو تنہائی میں سسکتے ہوئے پایا ہے۔

مَیں نے جوشیلے نوجوان کو پتھر سے سر ٹکرا کر درد کی تاب نہ لاتے ہوئے، مایوسی کے ساتھ موت کی آغوش میں جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ آج میری آواز دَب چکی ہے، میری بانسری ترنم کھو بیٹھی ہے، میری دنیا گہری تاریکی کی قید میں بند ہے۔ اس لئے میں بھیگی پلکوں کے ساتھ تم سے سوال کرتا ہوں......

کہ وہ لوگ جنہوں نے تمہاری فضا کو زہریلا کیا ہے اور تمہارے نُور کو بجھایا ہے، کیا تم نے انہیں معاف کردیا ہے؟ کیا تم ان سے محبت کرتے ہو؟''

دراصل اس نظم کے ہر شعر میں قرآنی مضامین کا ہی بیان ہے کیونکہ ہر زمانہ اور قوم میں انبیاء کی بعثت کا عقیدہ سوائے قرآن کریم کے کسی دوسری الہامی کتاب یا مذہب نے پیش نہیں کیا۔ درج بالا نظم میں ہی ٹیگور نے انبیاءعلیہم السلام کی مشترکہ تعلیم کا ذکر بھی کیا ہے یعنی عفو، درگزر، محبت اور دل کی صفائی وغیرہ۔ ٹیگور تمام انبیاء کے لئے عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ اور پھر نام نہاد مذہبی جنون میں مبتلا ہوکر زندگی گزارنے والوں کو ایک نوجوان کی شکل میں بیان کیا ہے۔ اور آخر پر ٹیگور خدا تعالیٰ کے حضور یہ سوال کرتا ہے کہ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَاللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ کے زمرہ میں آنے والوں کو کیا خدا تعالیٰ محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے یا کیا وہ لوگ اس کی معافی کے لائق ہیں؟

☆ نبی کی آمد کا مقصد بیان کرتے ہوئے ٹیگور کہتا ہے:''بنی نوع انسان سے وابستہ تمام ترصداقتیں قدیم ہیں، اور یہ بات کہ 'خدا ہے' سب سے قدیم ہے۔ اس قدیم سچائی کو ہر زمانہ میں بنی نوع انسان کے سامنے زندہ کرکے پیش کرنا ہی نبیوں کا کام ہے۔ بانیان مذاہب نے کسی نئی سچائی کو ایجاد کیا؟ ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی زندگیوں میں اس قدیم سچائی کو ایک نئی شان کے ساتھ پاتے ہیں اور اسی سے دنیا کو روشناس کرواتے ہیں''۔

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام فرماتے ہیں کہ'' وہ خدا جو تمام نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر بمقام طور ظاہر ہوا اور حضرت مسیح پر شعیر کے پہاڑ پر طلوع فرمایا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر فاران کے پہاڑ پر چمکا، وہی قادر قدوس خدا میرے پر تجلّی فرما ہوا ہے۔ اس نے مجھ سے باتیں کیں اور مجھے فرمایا کہ وہ اعلیٰ وجود جس کی پرستش کے لئے نبی بھیجے گئے، مَیں ہوں''۔

☆ انبیاءعلیہم السلام کی استقامت و وفا کے حوالہ سے ٹیگور کہتا ہے:''ایک وقت میں یہ نظر آتا ہے کہ وہ عسر و یسر میں مطمئن ہیں، لالچ دلانے پر بھی وہ اپنی جگہ قائم ہیں، نیکی کے کاموں میں دوام پکڑے ہوئے ہیں۔ دیکھا جاتا ہے کہ ان پر سے کتنے ہی طوفان گزر جاتے ہیں مگر وہ اپنی جگہ صحیح سلامت ہیں۔ انہیں اپنے سامنے آگ کی شکل میں ہر قسم کی تباہی دکھائی دیتی ہے مگر وہ اسے آسانی سے قبول کرکے نیکی کی راہ پر مضبوطی سے قائم و دائم رہتے ہیں۔ دوست وعزیز اُن سے تعلق قطع کرلیتے ہیں مگر وہ خوشی سے اس قطع تعلق کو قبول کرلیتے ہیں۔ تب ہمیں سمجھ آتی ہے کہ اُنہیں کیا حاصل ہوا ہے اور ہم کس سے محروم ہیں۔ دراصل وہی وہ اطمینان ہے، وہی وہ دوست ہے، وہی وہ دولت ہے۔...... پس اوّل تو انبیاء کی زندگیوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کشش کے تحت سب کچھ قربان کردیتے ہیں پھر بعد میں یہ دیکھتے ہیں کہ ان قربانیوں کے بدلے انہیں کیا حاصل ہوتا ہے۔''

☆ ٹیگور کہتا ہے کہ'' ماحصل یہ ہے کہ انبیاء ہمیں اپنی طرف دعوت نہیں دیتے بلکہ خدا کی طرف بلاتے ہیں۔''

☆ خدا کو پانے کا گُر بیان کرتے ہوئے ٹیگور کہتا ہے کہ خدا کو خدا کی عطا کردہ طاقت سے ہی پایا جاسکتا ہے:

''جب انبیاء کی مثال دی جائے تو اس غلط فہمی کا خدشہ رہتا ہے کہ انسان طاقت، ذہانت اور عمل کے ذریعہ سچائی، روشنی اور روحانی زندگی کا راستہ بتاتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو دنیا کے اکثر لوگ روحانی زندگی کی امید نہ رکھتے۔ جب کسی شئی کے حصول کے لئے عام ذہانت اور طاقت ناکافی ہو تو پھر غیر معمولی جسمانی طاقت کا استعمال کرنا ہوتا ہے۔ مگر سچائی کی پیروی کرنی، نُور کو قبول کرنا، روحانی زندگی کو حاصل کرنا صرف اخلاص کے ساتھ مستقل مزاجی پر منحصر ہے۔ یہ کچھ اَور نہیں بلکہ ہم نے اسی کو حاصل کرنا ہے جو ہمارے قریب ہی ہے۔''

☆ انبیاء کو آنے والی غیبی آواز (وحی) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ٹیگور کہتا ہے:''انبیاءعلیہم السلام کی زندگیوں سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ......وہ اچانک سب کام کاج ترک کرکے (خدا کی طرف) دوڑ رہے ہیں۔ تب سمجھ میں آتی ہے کہ انہیں آواز آئی ہے، ہم اسے سن نہیں سکتے مگر وہ سنتے ہیں۔''

☆ انجام کار انبیاءعلیہم السلام کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے ٹیگور کہتا ہے کہ:

''جن عظیم شخصیات کے اقوال آج تک زندہ و جاوید ہیں ان میں سے کسی نے انسان کو خوش کرتے ہوئے بات کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جانتے تھے کہ انسان جیسا کہ اپنے متعلق گمان کرتا ہے اس سے بھی وہ اعلیٰ ہے یعنی انسان اپنے

متعلق جو خیال کرتا ہے وہی اس کی انتہاء نہیں ہے۔ اسی لئے عظیم شخصیات نے انسان کے شاہی دربار میں اپنا پیغام بھجوایا ہے نہ کہ اس دربار کے باہر نوکر کو میٹھی زبان میں پھسلا کر آسان طریقہ سے کام کو ضائع کر دیا ہے۔ وہ لوگ ایسی باتیں بتا کر گئے ہیں جنہیں کہنے کی ہر ایک میں ہمت نہیں ہوتی، اور وہ ایسی باتیں تھیں جنہیں دنیاداری میں ملوث انسان سن کر منہ بناتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کوئی کام کی باتیں نہیں ہیں۔ مگر یہ کام کی باتیں ہی تھیں جو وقت کی لہروں کے ساتھ بلبلے کی طرح مل گئیں، اور وہ باتیں جو محالات میں سے تھیں ممکنات میں بدل گئیں، جو گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا وہی سچ ثابت ہوئیں۔ عقلمندوں کا فلسفہ نہیں بلکہ ان دیوانوں کے جنون ہی نے آخر کار ہر زمانے میں انسان کا ظاہر و باطن پر، انسان کی سوچ، عمل، اخلاق، فلسفہ پر لامتناہی اثر چھوڑا ہے۔ ان کی عجیب عجیب باتیں رد نہیں کی جاسکتیں، جتنا ہی انہیں مارنے کی کوشش کرو وہ اتنی ہی زندہ ہو جاتی ہیں، ان باتوں کو جلانے سے وہ اور روشن ہو جاتی ہیں، انہیں زمین میں دبانے کی کوشش کرنے سے اور زیادہ بلند ہو جاتی ہیں، ان کو اجتماعی قوت کے ساتھ روکنے کی کوشش کرنے سے نتیجۃً انہیں بہت ہی مضبوطی سے قبول کرنا ہوتا ہے۔ ان باتوں کی تاثیر لاشعوری میں بلکہ نہ چاہتے ہوئے بھی مفکروں کی فکر کے رنگ کو بدل دیتی ہے، انسان کے کام کی نوعیت کو بدل دیتی ہے۔''

ٹیگور کا کلام قرآن کریم کے مختلف مقامات سے اخذ شدہ ہے اور اسی حقیقت کا غماز ہے کہ کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ۔

☆ بانیان مذاہب کا احترام ملحوظ رکھنے کے بارہ میں ٹیگور نصیحتاً کہتا ہے:

''مذہبی عقائد اور رسمی مذہبی معاشرہ کی بنیاد کے حوالے سے دنیا کے بانیان مذاہب کو دیکھنا دراصل ان کی توہین ہے۔ اس پہلو سے صرف فرقہ پرست لوگ ہی دیکھ سکتے ہیں، جس سے فرقہ پرستی کو فروغ ملتا ہے۔ ان (بانیان) میں ضرور ایک چیز دیکھنے کے لائق ہے جس کی طرف ہر ملک اور ہر زمانے میں تمام بنی نوع انسان کو دعوت دی جاسکتی ہے۔ وہ صرف محض ایک چراغ نہیں بلکہ ایک نور ہیں۔''

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''مختلف قوموں کے نبیوں اور رسولوں کو توہین سے یاد کرنا اور ان کو گالیاں دینا ایک ایسی زہر ہے کہ نہ صرف انجام کار جسم کو ہلاک کرتی ہے بلکہ روح کو بھی ہلاک کر کے دین اور دنیا دونوں کو تباہ کرتی ہے۔ وہ ملک آرام سے زندگی بسر نہیں کر سکتا جس کے باشندے ایک دوسرے کے رہبر دین کی عیب شماری اور ازالہ حیثیت عرفی میں مشغول ہیں۔......''

☆ انبیاء علیہم السلام کے یقین کامل کا ذکر کرتے ہوئے ٹیگور کہتا ہے:

''جب سب یک زباں ہو کر کہتے ہیں کہ ہمیں صرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے۔ اس وقت بھی وہ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ تمام تاریکی سے پرے میں اسی کو دیکھ رہا ہوں جو کہ بلند شان والا اور نور ہے۔ اسی لئے صاف نظر آتا ہے کہ جب ہزار ہا انسان یہ خیال کر کے کہ بے دینی ہی مجھے بچا سکتی ہے مختلف قسم کے فسادات اور جعل سازی اور مکاری میں مبتلاء ہو جاتے ہیں ایسے وقت میں بھی وہ لوگ کامل ایمان سے یہ کہتے ہیں کہ مذہب کا ایک قطرہ خطرناک تباہی سے بچا سکتا ہے۔ جب یہ نظارہ عام ہو کہ اعمال صالحہ قدم قدم پہ دشواری میں مبتلا ہے، جہالت کے جال میں جکڑا ہوا ہے، طاقتور کے ظلم کا نشانہ بنا ہوا ہے، اس کی بے کسی ظاہر و باہر ہے۔ اس دور میں بھی ایسے لوگ اعتماد سے کہتے ہیں کہ رائی کے برابر ایمان، پہاڑ کے برابر روک پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''ہمیشہ یہ امر واقع ہوتا ہے کہ جو خدا کے خاص حبیب اور وفادار بندے ہیں ان کا صدق خدا کے ساتھ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ یہ دنیادار اندھے اس کو دیکھ نہیں سکتے''۔

☆ انبیاء علیہم السلام کی تاثیر قدسی کے حوالہ سے ٹیگور کہتا ہے: ''انسان کہتا ہے کہ ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔ نبی کہتا ہے کہ مَیں جانتا ہوں تم یہ کام کر سکتے ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی ایسا مذہب پیش کرو جس پر عمل کرنا ہمارے اختیار میں ہو۔ نبی کہتا ہے (تمہیں) وہی مذہب دیا گیا ہے جس پر عمل کرنے کی تم طاقت رکھتے ہو۔ وہ انسان کی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں کیونکہ تمام تر بے بسی اور بے اختیاری کو عبور کر کے انہیں انسان کی حقیقی صلاحیت کا علم ہو جاتا ہے''۔

مندرجہ بالا تحریر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹیگور گویا لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے مضمون کو اپنے الفاظ میں بیان کر رہا ہے۔

☆ انانیت اور تکبر کے بارہ میں ٹیگور کا کہنا ہے:

''انسان اگر اپنی حیثیت سمجھ جائے تو اس میں اس قدر تکبر نہ ہو''۔

''دیکھو صرف ایک مَیں کے درمیان میں آنے سے دنیا میں کس قدر فساد برپا ہوا ہے۔ جیسے ہی مَیں کو ختم کر دو گے اسی وقت مغرب و مشرق، ماضی و مستقبل، ظاہر و باطن ایک ہو جائے گا۔ مَیں کی وجہ سے دنیا میں اس قدر تفرقہ ہے۔...... جہاں بھی فساد، تفرقہ، ہنگامہ نظر آتا ہے اس کی جڑ دراصل یہ مَیں ہے۔ اور جہاں محبت، اتفاق، امن نظر آتا ہو اس کی وجہ اس مَیں کی عدم موجودگی ہے''۔

☆ 'انشراح صدر' کے حوالہ سے اپنی ایک نظم میں ٹیگور کہتا ہے:

''جہاں پر سر بلندی ہو، جہاں بے خوف جذبے ہوں
جہاں پر علم ہو آزاد، سوچوں پر نہ پہرے ہوں
یہ دنیا جس جگہ پر چھوٹی چھوٹی تنگ گلیوں میں نہ بٹتی ہو
جہاں الفاظ سچائی کی گہرائی سے اٹھتے ہوں
جہاں پر کام کی تکریم ہو، محنت کی عزت ہو
جہاں تہذیب نو کی منچلی ندیا، روایاتِ کہن کی گرم ریتوں میں نہ گرتی ہو
جہاں پر ذہن تیری مہربانی سے کشادہ اور روشن ہوں
وطن کو میرے یاربّ! ایسی آزادی کی جنت میں جگانا''

☆ ''مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا'' کے حوالہ سے ٹیگور کہتا ہے: ''مکمل طور پر مرنے سے ہی زندہ رہنے کا راستہ نظر آئے گا''۔

☆ عقل و معرفت کی تعریف میں ٹیگور کہتا ہے: ''یورپ کی ثقافت کی حد اطلاق سائنس ہے اور ہندوستانی ثقافت کی حد اطلاق روحانیت ہے۔ یوروپین فطرت کے ساتھ صلح کرنا چاہتے ہیں اور ہندوستانی فطرت کو مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔ نفسانیت، انسانیت اور روحانیت کو مضبوط کرنے سے فطرت پر غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔''

☆ جھوٹی تعریف کے بداثرات کے ضمن میں ٹیگور یوں بیان کرتا ہے:

''عوام الناس میں جس کی تعریف ہو اس کی تو خیر نہیں۔ اس زہر سے اگر موت نہ بھی ہو تو کم از کم قید ہونا ہی پڑتا ہے۔ یہ تعریف خلوت نشین کی خلوت نشینی کو توڑنے اور عابد کی عبادت میں رخنہ ڈالنے آتی ہے۔''

☆　علامۃ المقربین کا بیان کرتے ہوئے ٹیگور کا کہنا ہے: ''جس کا دل قوی ہے اس میں قوت برداشت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ جو شخص دل قوی رکھتا ہو دنیا میں وہی کوئی اہم کام کو ہاتھ میں لے۔ پھر دنیا میں قابل اور لائق شخص اور اہم کام کے خلاف ہی اعتراض اور مذمت میں زیادہ تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولیٰ نے جہاں حقوق زیادہ دئے ہیں وہاں کٹھن دکھ اور امتحان رکھ دیا ہے۔ اس قادر کی سنت کی فتح ہو۔ ایسا ہی ہو کہ زیادہ سے زیادہ مذمت، دکھ اور مخالفت ہمیشہ قابل اور لائق لوگوں کو نصیب ہو۔ جسے درد برداشت کرنے کی عادت ہو اسی کے حصہ میں درد آتا رہے۔ نالائق اور ادنیٰ پر مذمّت و درد کا بے محل ضیاع نہ ہو۔''

ایک دوسری جگہ مقرّب شخص کی پہچان ٹیگور نے یوں بیان کی ہے: ''وہ شخص جس نے اپنی زندگی سچائی، وطن اور خدمت خلق کے لئے وقف کر دی ہے، اس کے نزدیک ذاتی یسر و عسر کے معنی بالکل متضاد ہیں۔ ایسا شخص بہت آسانی سے راحت کو ترک کر سکتا ہے اور دکھ کو قبول کر کے اسے عبور کر سکتا ہے۔ مفاد پرستی کی طرز زندگی میں دکھ سکھ کا بوجھ بہت بھاری ہے، مگر انسان جب مفاد کی قربانی کرتا ہے اس وقت اس (مفاد) کا بوجھ بہت ہلکا ہو جاتا ہے۔ اس مقام پہ شدید دکھ میں قوت برداشت اور ذلت کے مقابلہ میں عفو کا اظہار، الٰہی معجزہ معلوم ہوتا ہے۔''

☆　دل کی صفائی کا نسخہ ٹیگور یوں بیان کرتا ہے کہ:

''پانی سے صرف جسم صاف ہوتا ہے، دل کی صفائی سچائی سے ہوتی ہے۔''

☆　گناہ سرزد ہونے پر اظہار ندامت و استغفار کی اسلامی تعلیم ٹیگور نے کس خوبصورت انداز میں بیان کی ہے:

''گناہ سرزد ہونے کے بعد اظہار ندامت، گناہ سے نجات دلاتی ہے۔ اگر انسان یہ عزم کر لے کہ یہ کام دوبارہ نہیں کروں گا تو وہ پاک ہو سکتا ہے۔''

☆　حیاتِ آخرۃ کے حوالہ سے ٹیگور نے کیا خوب کہا ہے: ''انسان کی انتہا اسی زندگی میں نہیں ہے۔ وہ جو اُخروی زندگی کو تسلیم نہیں کرتے وہ بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ ایک زندگی میں انسان کی متوقع ترقی کی انتہا نہیں ہوتی۔''

ایک دوسری جگہ کہتا ہے: ''انسان (کی زندگی) کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی عقل و فہم کے ذریعہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس مقام پہ اس کی ذاتی زندگی کے سفر میں اس کا علم، عمل، قوّت ساختہ ہمہ تن مصروف ہے۔ یہاں وہ صرف ایک حیوان کی طرح زندہ رہنا چاہتا ہے۔ لیکن انسان (کی زندگی) کا دوسرا پہلو بھی ہے جو کہ اس ذاتی مقصد سے بالاتر ہے۔ اس مقام پہ زندگی کے اصول میں جسے ہم نقصان کہتے ہیں اُسے نفع کہا جاتا ہے جسے ہم موت کہتے ہیں اُسے زندگی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح وہاں موجودہ زندگی کے لئے توشہ اکٹھا کرنے کی بجائے لامتناہی زمانے کیلئے قربانی کی قیمت زیادہ ہے۔ وہاں علم موجودہ ضرورت کی سرحد کو استوار کر جاتا ہے، اور عمل مفاد پرستی کی نیت کا انکار کر دیتا ہے۔ اس مقام پہ انسان خودمختاری کی زندگی سے بھی برتر اور عظیم زندگی کو اختیار کرنا چاہتا ہے۔''

☆　خدمت خلق کے حوالہ سے ٹیگور کہتا ہے: ''ہم کسی کی خدمت کریں گے یہ سوچنے سے ہی خدمت نہیں کی جاسکتی...... وہ جو اعلیٰ ہے وہ ادنیٰ کو بہت آسانی سے نقصان پہنچا سکتا ہے، لیکن اگر ادنیٰ کی خدمت کرنی ہو تو...... ادنیٰ ہونا پڑتا ہے، ادنیٰ کے برابر ہونا پڑتا ہے۔''

دلی جذبہ سے خدمتِ خلق کے بارہ میں ٹیگور کا کہنا ہے: ''خدمت کرنے کے لئے خدا کی طرف سے عطا شدہ ایک ہی حق ہے اور وہ ہے محبت۔ انسان محبت کی دین (کو قبول کرنے) میں ذلّت محسوس نہیں کرتا مگر خیرات قبول کرنے میں ذلّت محسوس کرتا ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ ذلیل کرنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اس کی مدد کی جائے مگر اس سے محبت نہ ہو۔''

☆　حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اگر تو کسی کام کے متعلق قسم کھالے اور پھر تجھے اس سے بہتر کوئی بات نظر آئے تو اس قسم کو توڑ کر اس بہتر بات کو کر لو اور قسم توڑنے کا کفارہ ادا کر دو۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں ذرا یہ واقعہ ملاحظہ کیجئے کہ ایک بار گاندھی جی نے ایک بچی کی آٹو گراف بک پر لکھا: عجلت میں وعدہ نہ کرو۔ اگر وعدہ کر لو تو اسے نبھاؤ، چاہے جان کی بازی بھی کیوں نہ لگانی پڑے۔

بعد میں ٹیگور نے یہ سطریں دیکھیں تو مضطرب ہو کر بنگلہ زبان میں ایک نظم لکھ دی جس کا مفہوم تھا: مٹی سے بنی زنجیر سے کسی کو ہمیشہ کے لیے باندھا نہیں جاسکتا۔ پھر انگریزی میں لکھا: اگر ایسا لگے کہ تمہارا کیا ہوا وعدہ غلط تھا تو اُسے توڑ دو۔

☆　اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور ہم اس (انسان) سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ نیز فرمایا: اور (اے رسول) جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو (تو جواب دے کہ) میں (ان کے) پاس ہوں۔

ارشادات باری تعالیٰ کی روشنی میں ٹیگور کا کلام دیکھیں۔ لکھتا ہے:

=　''میرے اندرون میں یہ قربت کا تجربہ عرصۂ دراز سے جاری ہے۔ اگر اسے میری فطرت کی ایک صفت سے موسوم کیا جائے تو مجھے یہ قبول کرنا ہوگا''۔

=　''دراصل اس روح القدس کو اپنی روح میں مشاہدہ کرنے کے لئے انسانی قلب انتظار میں ہے کیونکہ روح کے ساتھ روح کا وصال سب سے بڑی صداقت ہے، اس مقام پہ انسان کا سب سے گہرا وصال ہوتا ہے''۔

=　''انسان بسا اوقات خدا تعالیٰ کی قدرت کو آسانی بادشاہت تک محدود رکھتا ہے۔ اس وقت خدائی غضب بھڑک اٹھتا ہے۔ پھر خوفزدہ انسان اس غضب پر قابو پانے کیلئے مختلف رسم و رواج اور پنڈت اور دیگر وسیلہ کی پناہ میں آتا ہے۔ لیکن جب انسان نے اسے رگِ جاں سے بھی قریب تر پایا ہے اس وقت اس کا خوف معدوم ہو گیا ہے اور وسیلہ کو ہٹا کر محبت کے جوش میں اس کے وصال کی تمنا کی ہے''۔

=　''جب انسان کو علم ہو جاتا ہے کہ محدود میں ہی دراصل لامحدود مضمر ہے، تب انسان سمجھ جاتا ہے کہ یہ راز، محبت کا راز ہے۔ یہ فلسفہ دراصل حسنِ ازلی کا فلسفہ ہے، اسی مقام میں انسان کی سعادت ہے اور انسان کے ربّ کا اسی سعادت میں ناز ہے''۔

☆　خدا سے جدائی کے تصوّر کا بیان حضرت مسیح موعودؑ یوں فرماتے ہیں:

ایک دَم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

ٹیگور کہتا ہے: ''زندگی عطا فرمانے والے سے زندگی کو الگ دیکھنا ہی غم ہے، اور اس کے ساتھ متصل دیکھنا نجات ہے۔''

☆　قرآن کریم کا واضح حکم ہے کہ کسی کی تقلید کرنے سے تم اپنے جرائم سے بری نہیں قرار دیئے جاسکتے۔ اس حوالہ سے ٹیگور کا کہنا ہے: ''وہ انسان جو حقیقت میں

کامل نہیں ہے بلکہ صرف ہمارے خیال و گمان میں کامل ہے، اُس کے اعمال کی اتباع ہمارے لئے کارگر نہیں ہوسکتی۔مگر ہمارے ملک میں تعجب کی بات یہ ہے کہ غلط جاننے کے باوجود عقیدت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ جسے ہم بہت ہی ذلیل اور کم تر تسلیم کرتے ہیں، بہت ہی اخلاص کے ساتھ اس کے قدموں کی غبار سر پہ ڈالتے ہیں۔اس سے بڑھ کر اپنی بے حرمتی اور بے عزتی گمان میں نہیں آتی''۔

معاشرتی رویّوں کا ذکر کرتے ہوئے ٹیگور کا کہنا ہے:''شودر قوم کے نیک انسان کی ہم عزت نہیں کرتے مگر بدکار برہمن کی ہم عزت کرتے ہیں''۔

☆ عبادت کا فائدہ انسان کو ہی پہنچتا ہے۔ٹیگور کہتا ہے:''شربتِ عبادت دراصل روحانی کیمیا ہے جو کہ ادنیٰ کو پگھلا کر اعلیٰ میں مدغم کرسکتا ہے۔لہٰذا جب ہم خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو اس سے اس کے جلال میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ وہ شربت کیمیائی عوامل سے گزرتے ہوئے،ہمیں وصال عطا کرتا ہے''

☆ قرآن کریم کائنات اور زندگی کے ارتقائی ادوار کو وضاحت سے بیان فرماتا ہے۔ٹیگور بھی لکھتا ہے:''لوگ اچانک تخلیق کی نسبت ایک منظّم نظام کے تحت تخلیقی عمل میں زیادہ خدائی اثر محسوس کرنے لگے''۔''کسی بھی شئی میں ایسا فرق مشاہدہ میں نہیں آتا جس طرح کہ بیج اور درخت کے درمیان جس طرح واضح فرق نظر آتا ہے۔مگر بیج میں درخت بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے''

☆ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔اسی طرح ٹیگور کا بھی کہنا ہے:''رہبانیت کے ذریعہ نجات میرا اصول نہیں ہے''۔

پھر وہ بیان کرتا ہے کہ''مندر میں خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کرنے اور مراقبہ کرنے سے بہتر وہ محنت کش ہے جو دھوپ میں جھلس کر پتھر توڑ رہا ہے یا کھیت میں پسینہ بہار ہاہے''۔

☆ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:اپنے بھائی کی مدد کر خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔(صحابہؓ نے) کہا: یارسول اللہ! مظلوم کی تو ہم مدد کریں گے کیونکہ وہ مظلوم ہے،لیکن ظالم ہو تو اس کی کیسے مدد کریں؟ آپؐ نے فرمایا: اس کے ہاتھوں کو پکڑ لو۔اسی طرح ٹیگور کہتا ہے:''ظلم کرنے والے اور ظلم کے خلاف خاموش رہنے والے دونوں یکساں طور پر قابل مذمت ہیں''۔

☆ فرمانبرداری اور کامل اطاعت کے حوالہ سے قرآن کریم میں ارشاد ہے:اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم سب کے سب فرمانبرداری (کے دائرہ) میں آجاؤ۔

ٹیگور کہتا ہے:بندے نے اپنے ربّ کے لئے فرمانبرداری اختیار کرلی۔

☆ مغفرت ورحمت الٰہی کے حوالہ سے قرآن کریم کی ایک دعا ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔

ٹیگور اپنی ایک نظم میں کہتا ہے:

''مَیں ہوں کمزور و بے ایمان
زیب نہیں دیتا مجھے کہ کہوں تم پہ ہوں مَیں قربان''۔

ایک دوسری نظم میں کہتا ہے:

''اپنی رحمت سے کردے میرے دل کی صفائی
ورنہ کیوں کر ہو ممکن تیرے قدموں تک رسائی''

☆ نصرتِ مولیٰ کی طلب میں ٹیگور کہتا ہے:

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ذکر الٰہی سے قویٰ مضبوط ہوجاتے ہیں حتیٰ کہ بوڑھے جوان ہوجاتے ہیں۔اور اس امر کا ثبوت قرآن شریف سے ہی ملتا ہے۔حضرت زکریاؑ نے اپنی کمزوری کا ذکر کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا علاج یہی بتایا ہے کہ تم ذکر الٰہی کرو اور تین روز تک کسی سے کلام نہ کرو۔چنانچہ انہوں نے اس پر عمل کیا اور خدا نے جیتی جاگتی اولاد عطا فرمائی۔''

(الحکم30 ستمبر 1903ء)

''ہزاروں خواہشوں میں الجھا ہوں مَیں
محرومی میں پنہاں ہے تمہاری دست گیری''

☆ تقویٰ کے بارہ میں قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''(یاد رکھو کہ) ان قربانیوں کے گوشت اور خون ہرگز اللہ تک نہیں پہنچتے لیکن تمہارے دل کا تقویٰ اللہ تک پہنچتا ہے''۔

حدیث مبارکہ میں بھی ایسی مساجد کا ذکر ہے جو ہدایت سے خالی ہوں گی۔

حضرت مسیح موعودؑ بھی فرماتے ہیں:

''ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے''

ٹیگور نے بھی تقویٰ کے اس پہلو کو بہت ہی حسین انداز میں بیان کیا ہے۔کیونکہ بعض دفعہ لوگ نیکی کے اصل مقصد رضائے باری تعالیٰ کو بھول کر دنیا میں شہرت حاصل کرنے کو مقصد بنالیتے ہیں اور ریاکاری میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ٹیگور نے اپنی ایک نظم میں تفصیل سے یہ مضمون بیان کیا ہے جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ:

شاہی چاکروں نے عرض کیا: بادشاہ سلامت! ایک سادھو سونے اور جواہرات سے (بادشاہ کی طرف سے) تعمیر کی جانے والی عبادتگاہ کو چھوڑ کر سڑک کنارے ایک درخت کے نیچے عبادت میں مشغول ہے اور اس کے معتقدین بھی ہجوم کی شکل میں اس کے اردگرد جمع رہتے ہیں۔عبادتگاہ کی ویرانی کا معلوم کرکے بادشاہ غصہ میں آگیا اور اس سادھو سے جا کر ملا،اظہار عقیدت کرنے کے بعد عرض کیا کہ اس عظیم الشان عبادتگاہ کو چھوڑ کر اس طرح راستہ پر عبادت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ سادھو نے جواب دیا کہ اس عبادت گاہ میں خدا نہیں ہے۔

بادشاہ نے غصّہ سے اس خیال کی وجہ پوچھی تو سادھو نے جواب دیا کہ وہ عبادتگاہ شاہی تکبّر سے پُر ہے۔کیونکہ تم نے اس کے ذریعہ اپنی نمائش کی ہے، دنیا کے مالک کی نہیں۔

سادھو نے مزید بتایا کہ جب آتشزدگی کے باعث بے شمار لوگ بے گھر اور بے ساماں ہوکر تمہارے دروازے پہ آکر روتے ہوئے خالی ہاتھ واپس گئے تھے تو اُسی وقت اس عالیشان عبادت گاہ کی تعمیر کے کام پر خدا نے کہہ دیا تھا کہ جو شخص اپنی رعایا کو گھر نہیں دے سکتا وہ مجھے کیسے گھر دے گا!۔چنانچہ اُسی روز خدا اس عبادت گاہ کو چھوڑ کر اُن غاروں، درختوں اور جھونپڑیوں میں چلا گیا تھا جہاں یہ غریب لوگ پناہ گزیں تھے۔......

(آخری قسط آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)